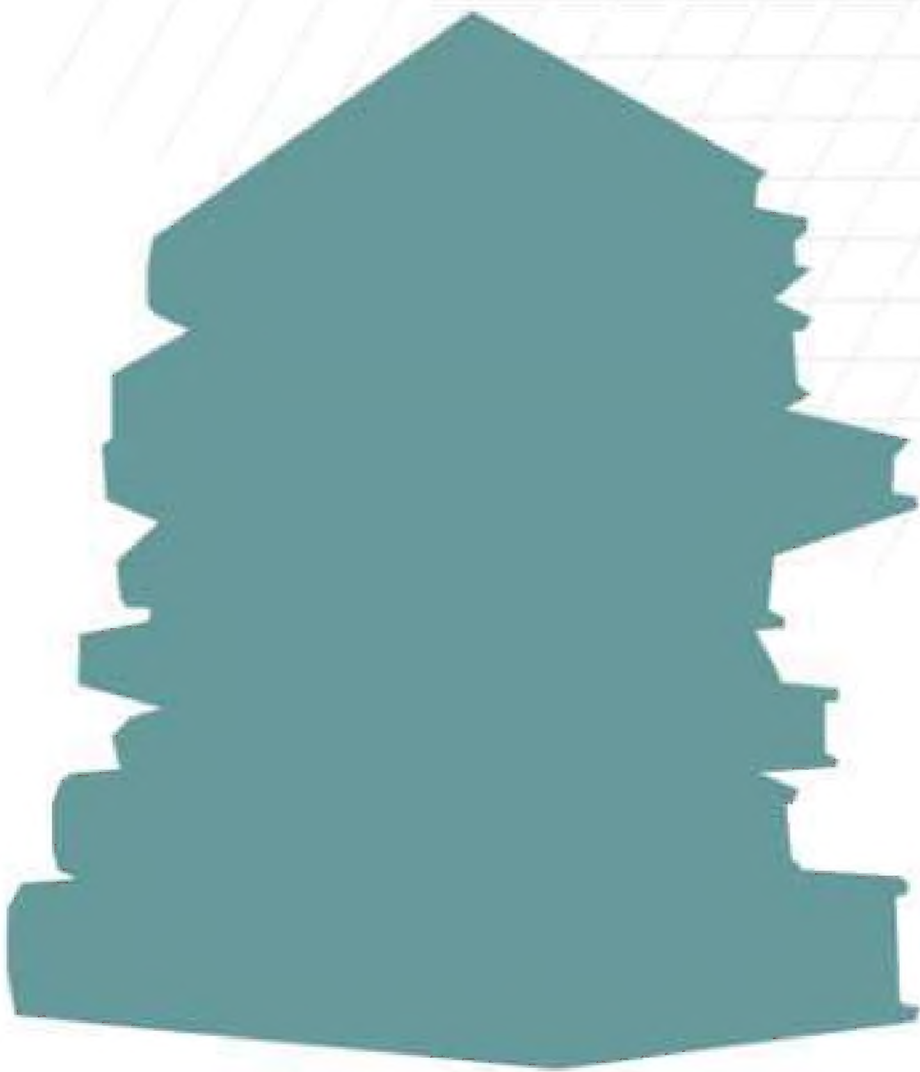
ایسٹ انڈیا کمپنی
اور
باغی علماء

مصنفہ

مفتی انتظام اللہ شہابی

مقدمہ

رائے محمد کمال



ایسٹ انڈیا کمپنی
اور
باغی علماء



مصنفہ
مفتی انتظام اللہ شہابی

مقدمہ
رائے محمد کمال

ملنے کا ایک پتہ :
مکتبہ رضوان ○ حضرت داتا گنج بخش روڈ، لاہور

129556

○ کتاب ــــــــــــــــــــــــ ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء

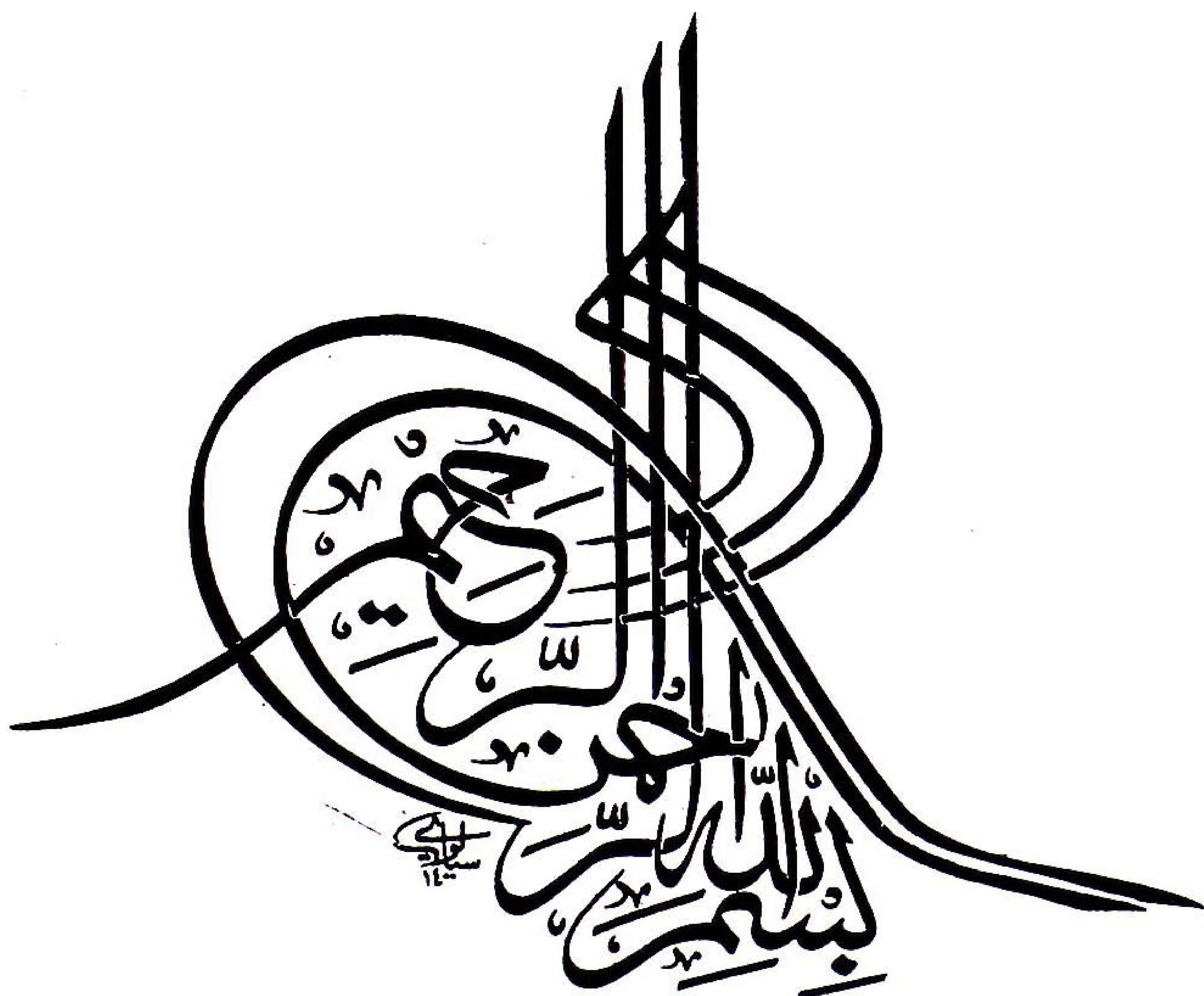
○ مولفہ ــــــــــــــــــــــــ مفتی انتظام اللہ شہابی

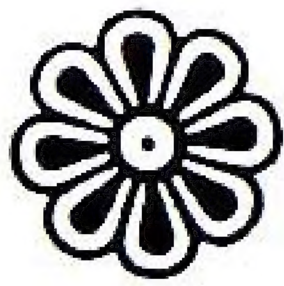
○ مقدمہ ــــــــــــــــــــــــ رائے محمد کمال

○ قیمت ــــــــــــــــــــــــ =/ [illegible] روپے

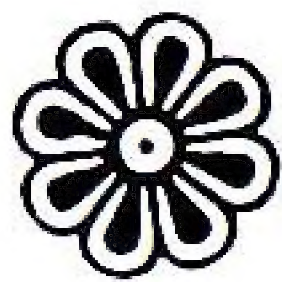
○ ناشر ــــــــــــــــــــــــ زاویہ پبلشرز۔ لاہور

تاریخی شعور اور جغرافیائی حقیقت


بسم الله الرحمن الرحيم

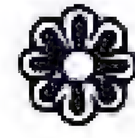


یہ حقیقت ہے کہ جو قوم تاریخ کو بھلا دیتی ہے' جغرافیہ بھی اس قوم کو فراموش کر دیتا ہے مگر اس سے ایک بڑی اور تلخ حقیقت یہ ہے کہ جو اپنے جغرافیہ کے تحفظ و بقا کا بیڑا نہیں اٹھاتے اور محض تاریخی مقبروں کے مجاور بن کر بیٹھ رہتے ہیں' تاریخ اپنے خوبصورت اوراق میں انہیں کبھی بھی جگہ نہیں دیتی۔



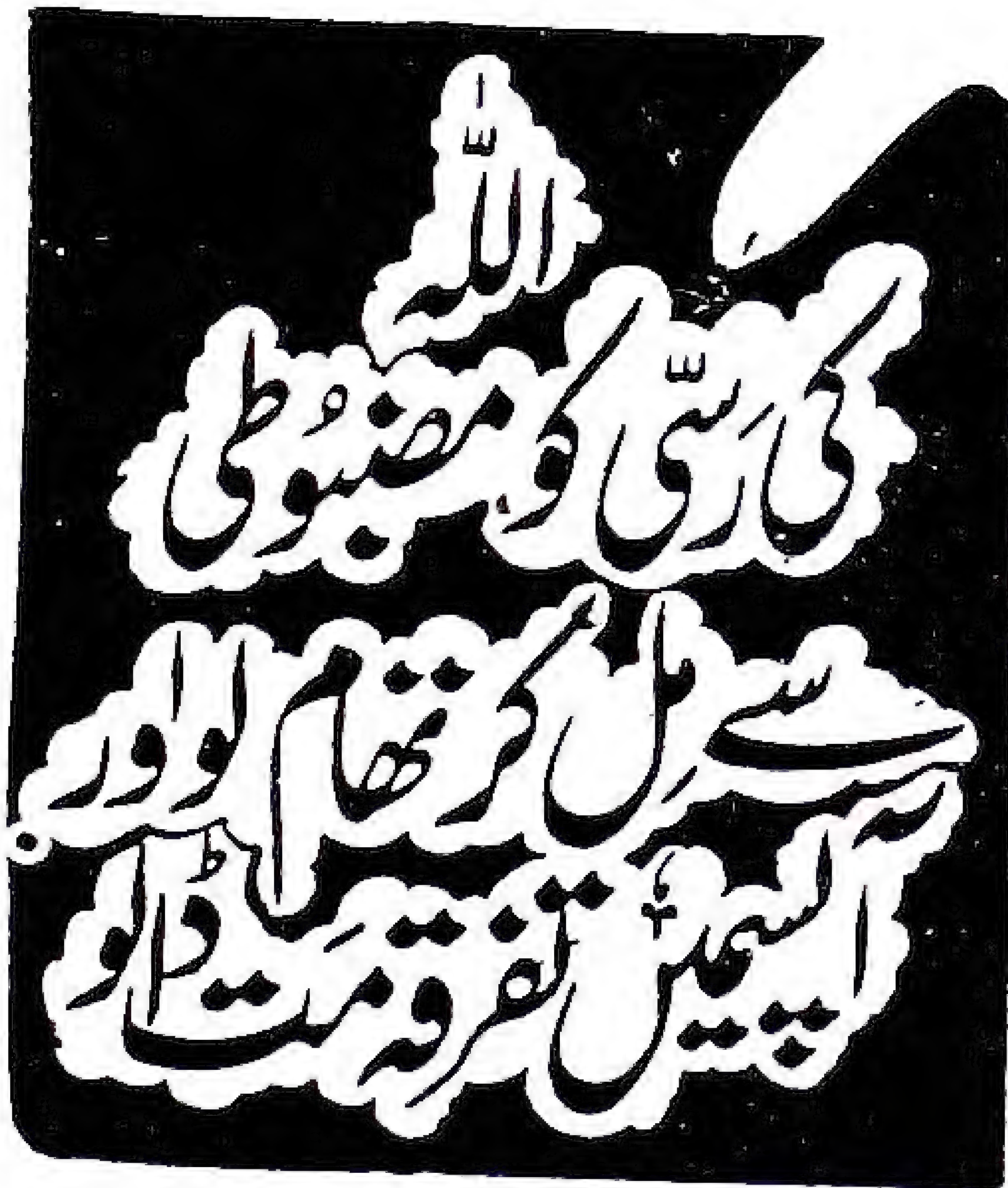
صلی اللہ علیہ وآلہ

"زاویہ"





روپ بہروپ (زاویہ)


اللہ
کی رسّی کو مضبوطی
سے مل کر تھام لو اور
آپس میں تفرقہ مت ڈالو

"میں نے اپنا یہ تاثر بارہا بیان کیا ہے کہ دور صحابہ کرامؓ کے بعد ایک خالص اسلامی تحریک ہونے کے اعتبار سے تحریک شہیدین کے ہم پلہ مجھے کوئی دوسری تحریک نظر نہیں آتی۔ اس تحریک کے قائد تھے بطل جلیل، پیکر تقویٰ، صحابہ کرامؓ کی سیرت کا نمونہ اور اخلاص و للہیت کا خورشید تاباں، جناب سید احمد شہید بریلوی اور ان کے دست راست تھے، حضرت مولوی شاہ اسماعیل شہید۔ مجدد وقت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے پوتے، جو تقویٰ اور تدین کے ساتھ ساتھ اپنے دور کے آسمان علم، دین کے مہردر خشاں، بے مثال عالم، محدث، فقیہہ اور منقولات و معقولات کا حسین پیکر تھے۔ علاوہ ازیں اس تحریک میں سید شہید کی قیادت میں جو مجاہدین ہندوستان سے خالصتاً" سکھوں کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کے مقصد اعلیٰ کے لئے ہجرت کر کے ایک نہایت طویل، کٹھن اور جانگسل دشواریاں عبور کر کے سرحد پہنچے تھے، ان میں ہر ایک صبرو تقویٰ کے آسمان کا روشن ستارہ تھا۔" (1)۔

مرقومہ بالا اقتباس، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (امیر تنظیم اسلامی) کے ایک خطاب کا ماحصل ہے۔۔۔ سید احمد شہید بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید دہلوی کے ہدیہء سپاس گزارنے والوں کی فہرست خاصی طویل ہے مگر ان کے افکار و کردار کے مخالفین کی تعداد بلاشبہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔۔۔۔ "تصویر کا پہلا رخ" شاید اب کسی تعارف کا محتاج نہیں رہا۔ ان کی خدمات کو سراہنے اور خراج تحسین پیش کرنے والوں نے خوب حق عقیدت ادا کر دکھایا اور دکھا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے کارناموں کو تاریخ کے ایک زریں باب کے طور سے نصابی کتب کی زینت بھی بنا دیا گیا مگر اس کے برخلاف دوسرے لوگوں کی آواز کسی حد تک دبی ہوئی ہے اور جب

تک ان کے دلائل و براہین ضبط تحریر میں نہ لائے جائیں گے، حقائق واقعی کا سراغ کسی طور بھی نہیں مل سکتا۔۔۔۔ تاریخ کا چہرہ یکطرفہ عقید تمندیوں کے گرد و غبار میں اٹ جائے تو امر واقعہ تک پہنچنا خاصا مشکل بلکہ ناممکن ہو جایا کرتا ہے۔ بناء بریں میں سمجھتا ہوں کہ اگر خالی الذہن ہو کر غیر جانب داری کے ساتھ مخالفانہ حوالہ جات پر غور و تدبر کریں تو بہرحال ماننا پڑے گا کہ ان کا استدلال اور واقعات و تحقیقات کا معروضی مطالعہ بھی انتہائی ٹھوس اور دلچسپ ہے۔

سید احمد شہید بریلوی کی تحریک جہاد سے متعلق قدیم ترین و مستند ماخذ "تاریخ تناولیاں" ہے۔ اسے سید مراد علی (علیگڑھی) منشی سرحد چوکی دربند، ضلع ہزارہ نے ۱۸۷۵ء میں تالیف کیا تھا۔ وہ "نویں داستان جنگ خلیفہ سید احمد بریلوی ملقب بہ سید بادشاہ و مولوی محمد اسماعیل دہلوی ہمراہ سردار پائندہ خاں" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

"۱۸۰۳ء میں خلیفہ سید احمد نے یار محمد خان حاکم پشاور و کوہاٹ برادر دوست محمد خان والی کابل کو بہ پشت گرمی لشکر غازیاں شکست دی اور ملک پشاور و کوہاٹ پر قبضہ کرکے اپنے تھانہ جات مقرر کئے اور بہ لقب سید بادشاہ مشہور ہوا۔ فتح خان رئیس پنجتار و دیگر سرداران و رئیسان ملک اور سربلند خان قوم پلال جوق در جوق پیر و بیعت خلیفہ ہو کر مقام پنجتار میں فراہم تھے۔ الا سردار پائندہ خان نے خلیفہ کی بیعت نہ کی لہٰذا خلیفہ جانب پائندہ خان سے بدگمان تھا۔ آخر بہ نظر مصلحت خلیفہ موصوف مع مولوی اسماعیل بمقام موضع عشرہ پائندہ خان سے ملاقی ہوا اور وقت ملاقات خلیفہ نے کمال چرب زبانی و شیریں بیانی سے قصہ بیعت کا چھیڑا مگر سردار موصوف نے سوائے لیت و لعل جواب صاف نہ دیا۔ ناچار خلیفہ مع مولوی محمد اسماعیل واپس پنجتار میں آیا۔ اس اثناء میں سردار مدد خان بہادر خورد سردار پائندہ خان نے بصد سوز و گداز و ہزاراں درد و داغ حاضر خدمت ہو کر بیعت کا دم بھرا۔۔۔۔ القصہ پھر تو خلیفہ نے نسبت پائندہ خان فتویٰ کفر کا دے کر مع مولوی محمد اسماعیل و لشکر غازیان

برھمونی سربلند خاں و مدد خاں عزم جنگ پائندہ خان پر مستعد ہوا۔ ان روزوں قصبہ انب محاذی کربلیاں آنروی دریائے اباسندہ آباد تھا' خلیفہ نے مع لشکر پنجتار سے کوچ کر کے بعد طے منازل موضع کنیرڑی میں مقام کیا۔ ادھر سے پائندہ خاں مع رحمرﷲ و مہندا خان جمعداران و افواج قلمی و ملکی سوار و پیادہ متصل موضع مذکور آموجود ہوا اور لشکر طرفین میں آتش قتال شعلہ زن ہوئی۔ اس روز کی گیرو دار اور کشت و خون کا کیا بیان کیا جائے کہ سینہ خامہ چاک اور دفتر آلودہ بخاک ہے۔ فوج پائندہ خان سے مسمیان عظیم قوم حجام و خانباز و ہاشم علی و کمال و سعد اللہ کام آئے اور سید محمد و نور محمد و مہندا خان جمعدار زخمی ہوئے۔ خلیفہ صاحب کے بھی بہت سے ہمراہی کسوت حیات سے عریان و بے جان ہوئے۔ نفس الامر میں خلیفہ سید احمد کی سپاہ نے نہایت د د مردانگی دی---- پائندہ خان گردش زمانہ ناہنجار سے تنگ آکر شکست فاش کھا کر اس روز مقام انب سے مع عیال و اطفال و اسباب دریائے اباسندہ اتر کر براہ موضع بانڈی کے موضع شمدھرہ علاقہ اگرور میں وارد ہوا۔ دوسرے دن خلیفہ انب میں تشریف لایا' دام چرب زبانی بچھا کر درس وعظ کا دانہ بکھیرا اور آہستہ آہستہ ملک تنول کا منگوا لیا۔ تمام رعایائے تنول مطیع خلیفہ ہو گئی' تب خلیفہ نے اپنے ہمشیرہ زادہ مولوی احمد علی کا پانچسو نفر پیادہ کی جمعیت دے کر باتالیقی سربلند خان و سردار مدد خان برادر پائندہ خان و محمد عباس بمراد انتظام ملک جانب موضع بھلاڑہ روانہ کیا۔ الاحسب وعدہ پرگنہ بھلاڑہ سردار مدد خان برادر پائندہ خان کو عطا نہ فرمایا۔ الحق حکومت کی چاٹ بلا ہے' نہ کچھ عہد ہے نہ وفا ہے۔ الغرض ملک تنول پر حکومت خلیفہ کی ایک چھ ماہی مع الخیر گزری اور معاملہ یعنی محصولہ ایک فصل کا خلیفہ نے وصول کیا۔ بہرحال دیکھ کر پائندہ خان کا دم ناک میں آیا سخت گھبرایا۔ ہر طرح دہن لڑایا' کچھ بن نہ آیا۔ آخر ایک عجز آمیز خط بہ طلب کمک سردار ہری سنگھ کے نام جو اس وقت بہ خوف فساد خلیفہ سید احمد مع لشکر قلعہ مانسہرہ میں مقیم تھا' ارسال کیا....... جب یہ خط سردار کی نظر سے گزرا بلکہ گرگ باراں دیدہ تھا اول جمیع پہلو اس نے بہ تامل تمام

سوچے یہاں تک کہ رائے متین نے یوں مشورہ دیا کہ خلیفہ سید احمد اور پائندہ خان اپنے دونوں دشمن ہیں اور خلیفہ ملک تنول کو فتح کر چکا ہے۔ آئندہ ملک پھطلی میں ہاتھ ڈالے گا۔ ملک ستانی کا حوصلہ نکالے گا۔ پائندہ خان کو کمک دے کر خلیفہ سے لڑوانا عین مصلحت اور محض صلاح وقت ہے بہرحال ایک نہ ایک دشمن نابود ہو گا۔ ہر طرح اپنا سود ہو گا۔" (2)۔

تاریخ تناولیاں کے مطابق سید احمد شہید بریلوی اور شاہ محمد اسماعیل شہید کی سرحد میں آمد سے قبل خوانین کی سکھوں سے کئی جنگیں ہو چکی تھیں اور اس واقعہ کے بعد بھی جھڑپیں ہوتی رہیں مگر جونہی سید بادشاہ کا قافلہ اترا تو ان کے جہاد کی ابتداء پٹھانوں کے قتل و غارت سے ہوئی۔۔۔۔ لہٰذا مقامی مسلمان عسکری اعتبار سے کمزور اور سکھ مضبوط ہوتے چلے گئے۔ حالانکہ قبل ازیں سردار پائندہ خان نے ہری سنگھ اور دیوان سنگھ کو پے در پے شکست دے کر رنجیت سنگھ کو لرزہ براندام کر رکھا تھا۔ یوں لگتا ہے کہ مورخین کے ایک طبقہ نے تاریخی حقائق کے اظہار و بیان میں بھی عقیدت کیشی اور مصلحت کوشی سے کام لیا اور من چاہے نتائج اخذ کئے ہیں' نہ صرف یہ بلکہ زیب داستان کے لئے بات کو کچھ بڑھا بھی دیا گیا۔

میری معلومات کے مطابق تاریخی صداقتوں میں یہ تنازع اس وقت پیدا ہوا جب مولانا غلام رسول مہر نے اپنی تصنیفات و تالیفات میں تحریک مجاہدین بالا کوٹ کو انگریز دشمنی کا نام دینا شروع کیا۔ طرفہ تماشا یہ ہوا کہ جوش آزادی سے قبل سید بادشاہ کی تحریک کو محض سکھوں کے خلاف بیان کیا جاتا رہا۔ اور جب برطانوی راج کی گرفت ڈھیلی پڑی تو یہ انگریزوں کے دشمن بھی قرار پا گئے۔ سرسید احمد خاں "رسالہ ء اسباب بغاوت ہند" میں یہی موقف اختیار کرتے اور دیگر زعماء ان کی تائید فرماتے ہیں۔ تب اس تحریک کو انگریز حکومت کا خیر خواہ کہا گیا اور زمانے نے دوسری کروٹ بدلی تو یہ ان کے اصل حریف ٹھہرے۔ مولانا غلام رسول مہر ایک باغ و بہار شخصیت تھے۔ یہ تاریخ دانی کا اپنا ایک خاص نظریہ رکھتے تھے' خود فرماتے ہیں:

"میں مجاہدین کی شان و آبرو کو بہرحال قائم رکھنے کا قائل ہوں' اگرچہ وہ سابقہ بیانات کے عین مطابق نہ ہو۔"(3)۔

مہر صاحب کی یہ عقیدت مندی جا بجا دکھائی دیتی ہے۔ مجاہدین بالاکوٹ کا تذکرہ لکھنے بیٹھے تو ان قائدین کے بیانات کو بھی نظرانداز کر دیا' جو اس تحریک میں شامل یا قریب سے دیکھنے اور سننے والے تھے۔ اسی طرح انہوں نے محل وقوع اور واقعات پر مشتمل سو برس پہلے لکھی گئی تواریخ کا ذکر تک نہ کیا' بلکہ ان سے لاعلمی کا اظہار فرماتے ہیں۔ چنانچہ شیر محمد بنی صاحب نے مہر صاحب سے تاریخ تناولیاں اور تاریخ ہزارہ کے متعلق استفسار کیا تو جواب میں اول الذکر کے متعلق کہا' امید نہیں کہ ہاتھ آئے اور "تاریخ ہزارہ" کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔ حالانکہ ان دونوں کتب کے علاوہ "تاریخ پشاور" بھی پاکستان کی معروف لائبریریوں بلکہ لاہور کی لائبریریوں میں بھی موجود تھی۔(4)۔

ان تاریخ ماخذوں میں سے دو اقتباسات ملاحظہ کیجئے:

"وہ خلیفہ سید احمد پر شک کرتے تھے کہ یہ شاید انگریزوں کے مشورے سے واسطے فتح اس ملک کے آیا ہے' جہاد کا نام فرضی مقرر کیا ہوا ہے ---- یہ خلیفہ سید احمد لاہور وغیرہ (سکھوں) کی طرف نہیں جاتا۔ یہ صرف اس کی باتیں ہیں' اصل غرض اس کی ہمارے ملک کو پامال کرنا ہے۔"(5)۔

بناء بریں یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ غلام رسول مہر صاحب سے قبل ایک ایک حوالہ ان کے اس وضعی موقف کی تردید و تکذیب کے لئے کافی ہے:

"ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں پورے جوش کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے وہ سب کے سب علماء کرام شامل تھے' جو عقیدۂ حضرت سید احمد اور حضرت شاہ اسماعیل کے شدید ترین دشمن تھے اور جنہوں نے حضرت شاہ اسماعیل کے رد میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور اپنے شاگردوں کو لکھنے کی وصیت کی ہے۔"(6)۔

اس باب میں سید بادشاہ (احمد شہید بریلوی) کے ایک ثقہ عقیدت مند کی یہ

تاریخی تحقیق بھی ازحد اہم اور ان کی منصفانہ رائے بالخصوص قابل توجہ ہے۔

"اس زمانہ میں بعض حضرات یہ کہنے لگے ہیں کہ دراصل سید احمد شہید کا مقصد انگریزوں سے جہاد کرنا تھا' سکھ تو ویسے ہی درمیان میں آ گئے---- اگر سکھ آزادیء وطن کے جہاد میں حضرت سید احمد شہید کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو جاتے تو خود ان سے رزم و پیکار کی کوئی وجہ نہ ہوتی---- سکھوں سے فارغ ہونے کے بعد حضرت شہید کا پختہ ارادہ انگریزوں سے جہاد کا تھا' مگر واقعہ یہ ہے کہ ان تینوں بیانات کا کوئی حقیقی ثبوت موجود نہیں اور صاف اور سچی بات یہی ہے کہ ہرگز ہرگز حضرت کا ارادہ انگریزوں سے جہاد کا نہ تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سرسید (جو حضرت شہید کے سب سے قریب العہد مورخ ہیں) ضرور اس کا ذکر کرتے۔"(7)-

مرقومہ بالا عبارت "مقالات سرسید" کے مرتب کے زاویہء تحقیق کا جزو ہے۔ وہ اپنی رائے حاشیے میں بیان کرتے ہیں:

"سرسید نے اس مضمون میں یہ بات بار بار لکھی ہے کہ حضرت سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید انگریزی حکومت کے ہرگز ہرگز مخالف نہ تھے اور نہ ہی انہوں نے کبھی ان کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ سرسید کے اس بیان کی تائید متعدد مورخین نے بھی کی ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان (اہلحدیث) نے "ترجمان وہابیہ" مطبوعہ امرتسر کے صفحہ ۲۱ اور ۸۸ پر نیز "سوانح احمدی" مولفہ محمد جعفر تھانیسری (مجاہدین مذکور کے سوانح نگار و پیروکار) بیس مقامات پر' اسی طرح حضرت شاہ اسماعیل شہید کی سوانح موسوم بہ "حیات طیبہ" کے صفحات ۱۵۹' ۲۹۲' ۲۹۴ پر بھی اسی خیال کو پیش کیا گیا ہے۔"(8)-

سر سید احمد خان' جو کہ اس تحریک کے زمانے میں موجود تھے' فرماتے ہیں:

"اثنائے وعظ میں کسی شخص نے ان سے دریافت کیا کہ تم انگریزوں پر جہاد کرنے کا وعظ کیوں نہیں کہتے' وہ بھی تو کافر ہیں۔ اس کے جواب میں مولوی محمد اسماعیل صاحب نے فرمایا کہ انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کو کچھ اذیت نہیں ہوتی

اور چونکہ ہم انگریزوں کی رعایا ہیں' اس لئے ہم پر اپنے مذہب کی رو سے یہ بات فرض ہے کہ انگریزوں پر جہاد کرنے میں ہم کبھی شریک نہ ہوں۔ پس اس زمانہ میں ہزاروں مسلح مسلمان اور بے شمار سامان جنگ کا ذخیرہ سکھوں پر جہاد کرنے کے واسطے ہندوستان میں جمع ہو گیا۔"(9)۔

مزید برآں یہ کہ سرسید مرحوم نے ڈاکٹر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرکے اور اس کی دستاویز "OUR INDIAN MUSLIMANS" (ہمارے ہندوستانی مسلمان) کو جھٹلاتے ہوئے کمشنر اور مجسٹریٹ کی اطلاع پر حکومت برطانیہ کے فیصلہ کو بھی سپرد قلم کیا:

"ان سے تعرض نہ کیا جائے' کیونکہ ان کا ارادہ کچھ گورنمنٹ انگریزی کے مقاصد کے خلاف نہیں ہے۔"(10)۔

اثنائے وعظ میں استغنا کا تذکرہ سرسید احمد خاں کے علاوہ مولوی محمد جعفر تھانیسری صاحب نے بھی بیان فرمایا' ان کے الفاظ یہ ہیں:

"یہ بھی صحیح روایت ہے کہ اثنائے قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسماعیل شہید وعظ فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رو ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں۔"(11)۔

ایک نامور تذکرہ نگار و اسلامی تحاریک کے مورخ شیخ محمد اکرام صاحب' مزید وضاحت قلمبند فرما گئے ہیں:

"مولوی محمد جعفر تھانیسری جنہیں وہابیوں کے مقدمہء سازش میں حبس دوام عبور دریائے شور کی سزا ہوئی تھی' اپنی کتاب "سوانح احمدی" میں لکھتے ہیں' جب آپ سکھوں سے جہاد کرنے کو تشریف لے جاتے تھے' کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ اتنی دور سکھوں پر جہاد کرنے کو کیوں جاتے ہو۔ انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں' وہ دین اسلام کے کیا منکر نہیں ہیں؟ گھر کے گھر میں ان سے جہاد کرکے ملک

ہندوستان لے لو، یہاں لاکھوں آدمی آپ کا شریک اور مددگار ہو جائے گا...... سید صاحب نے جواب دیا کہ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت نہیں کرنا چاہتے نہ انگریزوں کا نہ سکھوں کا ملک لینا ہمارا مقصد ہے.... سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادت لازمی سے روکتی ہے۔"(12)-

مولوی محمد جعفر تھانیسری کوئی عام شخصیت نہ تھے بلکہ مسعود عالم ندوی صاحب نے ان کی کتاب کو اردو زبان میں سید شہید کی سب سے پہلی مرتب سیرت قرار دیا---- غلام رسول مہر کے بقول "اردو زبان میں سید صاحب کے متعلق یہ پہلی کتاب ہے"---- شیخ دیوبند مولانا حسین احمد مدنی نے فرمایا "حضرت سید صاحب کے مستند سوانح نگار ہیں"---- اور پروفیسر محمد ایوب قادری نے بدیں الفاظ مہر تصدیق ثبت فرمائی۔ "سید احمد شہید کی تحریک جہاد کے خاص رکن اور اور بڑے راز دار تھے۔"(13)-

اب "حیات طیبہ" کے حوالے سے مزاج فتویٰ پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہیں۔ اس کتاب کے بارے میں الفرقان شہید نمبر صفحہ ۵۱ میں مندرج ہے کہ "دوسری کتاب مرزا حسرت مرحوم کی حیات طیبہ ہے جو شاہ اسماعیل کی نہایت مبسوط سوانح عمری ہے۔ اس میں مرقوم ہے کہ شہید صاحب نے دوران وعظ انگریزوں سے متعلق یوں ارشاد فرمایا تھا:

"ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے بلکہ ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔"(14)-

سرسید احمد خاں نے مزید تحریر فرمایا:

"وہ (مجاہدین) اپنے بال بچوں اور مال و اسباب کو گورنمنٹ انگریزی کی حفاظت میں چھوڑ گئے تھے اور ان کے مذہب میں اپنے بال بچوں کے محافظوں پر حملہ

کرنا نہایت ممنوع ہے۔"(15)۔

اس بارے میں مولانا عبیداللہ سندھی کی رائے بھی اپنے اندر حقائق کا بحر بیکراں رکھتی ہے:

"ایک دفعہ میں سرحد پار بنیر کے مقام پر گیا...... میں اس امید میں کہ شاید سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی جماعت مجاہدین میں زندگی کی کوئی کرن دکھائی دے، ادھر چل دیا۔ وہاں پہنچ کر جو کچھ میں نے دیکھا، وہ حد درجہ افسوسناک اور قابل رحم تھا۔ وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ جماعت جو "مجاہدین" کے نام نامی سے یاد کی جاتی ہے، کس بری حالت میں ہے اور اس کی گزرن اور اس کی زندگی کس طرح صاجزادہ عبدالقیوم خان کی وساطت سے انگریزی حکومت کی رہین منت ہے۔"(16)۔

سید بادشاہ کے معتبر سوانح نگار نے برطانوی انتظامیہ کی طرف سے ان کی دعوت طعام کا واقعہ بھی قلمبند کیا ہے:

"ایک انگریز گھوڑے پر سوار بہت سا کھانا قسم قسم کا، بہنگیوں میں رکھوائے ہوئے چلا آتا ہے۔ اس نے کشتی کے نزدیک آکر پوچھا کہ پادری صاحب (شاہ صاحب) کہاں ہیں؟...... بعد سلام و مزاج پرسی کے عرض کیا کہ تین روز سے میں نے نوکر واسطے لانے خبر تشریف آوری حضور اس طرف تعینات کر رکھے تھے۔ سو آج انہوں نے مجھ کو خبر کردی۔ یہ ماحضر واسطے حضور اور کل قافلے کے تیار کر کے لایا ہوں۔ براہ بندہ نوازی اس کو قبول فرمائیں۔ حضرت نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ فورا" وہ کھانا اپنے برتنوں میں لے کر قافلے میں تقسیم کردو۔"(17)۔

سید احمد شہید بریلوی کے سگے بھانجے سید محمد علی صاحب بھی شریک طعام تھے۔ انہوں نے ابتداء سے آغاز جہاد تک کے حالات لکھے اور اس کتاب کا نام "مخزن احمدی" رکھا۔ انہوں نے آنکھوں دیکھا یہ دلچسپ واقعہ بھی کتاب میں شامل کیا ہے۔ بناء بریں ابوالحسن ندوی صاحب بھی اسے بیان کرتے ہیں۔ نیز ندوی صاحب ایک اور واقعہ بھی ضبط تحریر میں لاتے ہیں:

''موضع اسرولی سے چار میل پہلے حضرت کے پاس ایک انگریز کی ہندوستانی بیوی آئی اور کھانے کی دعوت دی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر وہ فرنگی آیا تو آپ نے فرمایا' ''تمہاری دعوت کیوں نہ قبول کریں گے''۔ سو آپ نے دعوت قبول فرمائی۔ اس دن اس کی دعوت کھائی''۔۔۔۔ موصوف نے حاشیے میں تصریح فرمائی ہے ''اس انگریز کی ہندوستانی بی بی کی دعوت اس لئے قبول نہیں کی تھی کہ وہ انگریز کے پاس تھی' یہ تعلق ناجائز تھا اور اس سلسلے کا سب مال حرام اور ناجائز تھا۔''(18)۔

محمد اسماعیل پانی پتی حاشیہ مقالات سرسید' حصہ شانز دہم صفحہ ۲۵۱ پر رقمطراز ہیں کہ حضرت شہید کے تعلقات انگریزوں سے نہایت درجہ خوشگوار تھے۔۔۔ باوجود اس کے مولانا غلام رسول مہر' بغیر کسی تاریخی سند کے فقط جوش عقیدت یا شاید کشف و الہام کے ذریعہ سٹپٹا کر ایک نیا راگ چھیڑ دیتے اور فرماتے ہیں:

''آیا وہ صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے؟ جیسا کہ سوا سو سال سے سمجھا جا رہا ہے۔''(19)۔

''چند تاریخی غلطیاں'' کے عنوان سے ابو المعالی صاحب کا نقطۂ نظر بجائے خود ایک دلچسپ کہانی ہے:

''تحریک کے شیدائیوں نے جس وقت سکھوں کے خلاف نعرۂ جہاد بلند کر دیا' وہ عین حالات کا تقاضا تھا' تحریک میں اتنی فوجی قوت نہیں تھی کہ وہ انگریزوں کے خلاف محاذ قائم کرتے۔''(20)۔

محمد میاں نے ''اسلامی حریت کا علمبردار'' نامی اپنے مضمون میں بڑی انوکھی دلیل دی ہے:

''انگریزی ڈپلومیسی کا یہ عجیب و غریب کرشمہ تھا کہ حضرت شہید کے لئے سکھوں پر حملہ کرنے کی سہولتیں پیدا کیں اور پھر سکھ حکومت انگریزوں سے معاہدہ کے باعث مجبور تھی کہ حضرت شہید کو راستہ نہ دیتی اور جب حضرت شہید کی جمعیت ایک لاکھ سے متجاوز ہونے لگی تو آپ کی جمعیت میں عقائد کے متعلق اختلاف پیدا

ہوا یا کروا دیا گیا۔"(21)۔

مکتوبات کی کہانی (دو ناقابل تردید حوالہ جات)

"سید صاحب کا جہاد صرف اس وقت کے ظالم سکھوں سے تھا' جنھوں نے اس وقت پنجاب کے مسلمانوں پر قیامت برپا کر رکھی تھی نہ کہ سرکار انگریزی سے۔"(22)۔

"سرکار انگریزی سے ہم کو کوئی مخاصمت ہے اور نہ کوئی جھگڑا ہے' کیونکہ ہم تو اس کی رعایا ہیں بلکہ ہم کو تو اس کی حمایت میں رعایا کے مظالم کا استیصال کرنا ہے۔" (23)۔

اس موقع پر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انگریز حکام سید صاحب کے کاروان اور تبلیغ جہاد کو کس زاویے سے دیکھتے تھے؟ اس کا جواب ایک واقعہ سے ملتا ہے' جسے ابوالحسن علی ندوی صاحب نے مندرجہ ذیل الفاظ میں رقم کیا:

"عظیم آباد پٹنے کے بعض شیعہ صاحبان نے انگریز حاکم سے جاکر کہا کہ یہ سید صاحب جو یہاں اتنے آدمیوں کے ساتھ آئے ہیں' ہم نے سنا ہے کہ ان کی نیت جہاد کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم انگریزوں سے جہاد کریں گے۔ حاکم نے اس کو تعصب اور حسد پر محمول کیا اور ان کو تنبیہہ کی کہ آئندہ ایسی مفسدانہ بات نہ کی جائے۔" (24)۔

عام طور پر مجاہدین تحریک بالاکوٹ کے کارناموں کو اجاگر کرنے لئے ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" کے حوالے دیئے جاتے ہیں اور اکثر و بیشتر اسے سند کے طور پر لایا جاتا ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی مختصراً" رسالہ مذکور کی وجہ ء تالیف اور اس کے مضرات و مضمرات کو زیر بحث لانا ممکن ہے' تاہم ابتداء سے ہی ہنٹر صاحب کے غلط اندازوں کا شدومد سے رد کیا گیا۔

"اس زمانے میں علی العموم مسلمان لوگ عوام کو سکھوں پر جہاد کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ ہزاروں مسلح مسلمان اور بے شمار سامان جنگ کا ذخیرہ سکھوں پر جہاد کرنے کے واسطے جمع ہو گیا تھا۔ جب صاحب کمشنر اور صاحب مجسٹریٹ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے گورنمنٹ کو اطلاع دی۔ گورنمنٹ نے صاف لکھا کہ تم کو دست اندازی نہ کرنی چاہئے۔ دہلی کے ایک مہاجن نے جہادیوں کا روپیہ غبن کیا تو ولیم فریزر کمشنر دہلی نے ڈگری دی' جو وصول ہو کر سرحد بھیجی گئی۔" (25)-

اب ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر سید بادشاہ نے انگریزوں سے مصلحتاً پنجہ آزمائی نہیں کی تو یہ کس طرح ثابت ہو گیا کہ آپ ان کے خیر خواہ و حاشیہ بردار بھی تھے۔ میں ذاتی طور سے اس پہلو پر کوئی رائے نہیں دے سکتا اور نہ ہی میں اس دشت میں الجھنا چاہتا ہوں لیکن مجاہدین کے چاہنے والے ایک بزرگ فرماتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریزی اس وقت تک سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی مگر سرکار انگریزی اس وقت تک دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔" (26)-

ایک اور قابل اعتماد شخص حقیقت حال کا ان الفاظ میں اظہار فرماتے ہیں:

"منافقین ناہنجار اور کفار بدکردار نے حسد اور خوف سے حکومت برطانیہ کے عمال کو برانگیختہ کر دیا' تاہم بنصرت اللہ العزیز وہ خائب و خاسر رہے۔ سید احمد صاحب کی برابر روش یہ رہی کہ ایک طرف لوگوں کو سکھوں کے مقابل آمادۂ جہاد کرتے اور دوسری جانب حکومت برطانیہ کی امن پسندی جتا کر لوگوں کو اس کے مقابلے سے روکتے تھے۔" (27)-

بعض اوقات انگریزوں کی طرف سے سید بادشاہ کے اعزاز و اکرام میں باقاعدہ دعوتیں بھی ہوا کرتی تھیں۔ مہر صاحب ایک واقعہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"سپاہیوں نے دعوت طعام پر اصرار کیا تو فرمایا۔ اس شرط پر منظور کرتا ہوں کہ جو کچھ میں کہوں' پکایا جائے۔ انہوں نے مان لیا۔" (28)-

کانپور سے ایک انگریز کی داشتہ کی عقیدت مندی اور دوسرے موقع پر نماز عشاء کے بعد میزبان گورے کی ملاقات و مدارات مسلمہ ہے۔ مندرجہ صاحب ایک فرنگی کی میم اور انگریزی کمپنی کے وکیل کے ہاں قیام پذیر ہونا بھی تاریخ کا حصہ ٹھہر چکا۔

ایک اور چونکا دینے والا تاریخی انکشاف!

"۱۲۳۱ھ تک سید احمد صاحب' امیر خاں (نواب ٹونک) کی ملازمت میں رہے مگر ایک ناموری کا کام آپ نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خان کی صلح کرا دی اور آپ ہی کے ذریعے جو شہر بعد ازاں دیئے گئے اور جن پر آج تک امیر خان کی اولاد حکمرانی کرتی ہے' دینے طے پائے تھے۔ لارڈ ہیسٹینگ' سید احمد کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ جس میں امیر خان' لارڈ ہیسٹینگ اور سید احمد شامل تھے۔

سید احمد صاحب نے امیر خان کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اتارا تھا۔ آپ نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ انگریزوں سے مقابلہ کرنا اور لڑنا بھڑنا اگر تمہارے لئے برا نہیں تو تمہاری اولاد کے لئے سم قاتل کا اثر رکھتا ہے۔ انگریزوں کی قوت دن بدن ترقی پذیر ہے اور تمام قوتیں پے در پے تنزلی کا شکار رہیں۔ تمہارے بعد فوج کو کون سنبھالے گا اور ان کو عظیم الشان لشکر انگلشیہ کے مقابل میں کون میدان جنگ میں لائے جمائے گا۔ یہ باتیں امیر خان کی سمجھ میں آگئی تھیں اور اب وہ اس بات پر رضامند تھا کہ گزارہ کے لئے کچھ ملک مجھے دے دیا جائے تو میں آرام سے بیٹھوں۔ امیر خان نے ریاستوں اور ان کے ساتھ انگریزوں کا بھی ناک میں دم کر رکھا تھا۔ آخر ایک بڑے مشورہ کے بعد سید احمد صاحب کی کارگزاری سے ہر ریاست میں سے کچھ کچھ حصے دے کر امیر خان سے معاہدہ کر لیا۔ جیسے جے پور سے ٹونک دلوایا اور بھوپال سے سرونج۔ اس طرح سے متفرق پرگنے مختلف ریاستوں سے بڑی قیل و قال

کے بعد انگریزوں سے دلوا کے بپھرے ہوئے شیر کو اس حکمت سے پنجرہ میں بند کر دیا۔" (29)۔

موج کوثر میں شیخ محمد اکرام صاحب کی یہ محققانہ رائے کہ انگریزوں نے سید صاحب کے اعلانیہ جہاد اور اس کی تیاری میں کوئی رکاوٹ نہ کی تھی۔ نیز مولانا فضل حسن بہاری (اہلحدیث عالم دین) کا یہ توثیقی بیان۔ "آپ (شاہ اسماعیل دہلوی صاحب) اپنے شیخ طریقت سید احمد صاحب کو امام تسلیم کرکے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ جہاد کے لئے پنجاب پہنچے۔ گورنمنٹ انگلشیہ نے بھی آپ کے اس ارادے میں کسی طرح کی مزاحمت یا پیچیدگی پیدا نہیں کی۔" (30)۔ دشمنی کا ایک عجیب فلسفہ ہے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ دشمن کا دشمن بھی دوست ہوتا ہے' اسی لئے انگریزوں نے مجاہدین کے بارے میں نرم رویہ رکھا اور ان کا حوصلہ برابر بڑھاتے رہے۔ مولانا منظور نعمانی صاحب (موصوف سید بادشاہ کے مکتبہء فکر سے تعلق رکھتے تھے) کے جریدے میں تجزیہ کیا گیا:

"مشہور یہ ہے کہ آپ نے انگریزوں سے مخالفت کا کوئی اعلان نہیں کیا بلکہ کلکتہ یا پٹنہ میں ان کے ساتھ تعاون کا اظہار کیا اور یہ بھی مشہور ہے کہ انگریزوں نے بعض موقعوں پر آپ کی امداد بھی کی۔" (31)۔

آپ کے ہی پیروکاروں میں سے ایک اور بزرگ ارشاد فرماتے ہیں:

"سید صاحب کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا۔ وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریزی اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی مگر سرکار انگریز اس وقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔" (32)۔

شیخ جامعہ ء دیوبند نے بھی بقلم خود حقیقت حال درج فرمائی ہے:

"جب سید احمد صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگی ضرورتوں کو مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی۔" (33)۔

جن دنوں سید صاحب مع مجاہدین سرحد میں قیام فرما تھے' مولوی خیر الدین صاحب نے آپ کے سفیر کی حیثیت سے جنرل انٹورا سے ملاقات کی۔ باہم گفت و شنید میں ایک مسئلہ سکھوں سے جہاد سے متعلق تھا۔ بڑا دلچسپ مکالمہ ہوا' ملاحظہ کیجئے!

جنرل انٹورا :- آپ کے نزدیک جیسے کہ سکھ قوم کافر ٹھہری' ویسے ہی ہم نصرانی بھی ہیں یا کچھ فرق ہے؟

مولوی خیر الدین صاحب :- کفر میں دونوں برابر ہیں۔

جنرل انٹورا :- ملک ہندوستان میں خلیفہ صاحب کے لاکھوں جانثار مرید' بڑے بڑے زمیندار اور نواب ہیں اور اس وقت تمام ہندوستان نصرانیوں کے قبضہ میں ہے۔ پھر جب نصرانی اور سکھ دونوں کفر میں برابر ہیں تو خلیفہ صاحب نے اپنے لاکھوں مریدوں کو جمع کرکے گھر بیٹھے بٹھائے انگریزی سرکاری سے جہاد کیوں نہیں کیا؟ ناحق دور دراز سفر کی محنت و مشقت اٹھا کر سکھوں سے لڑنے کو آئے۔

مولوی خیر الدین صاحب :- ہم کو سرکاری انگریزی کسی فرائض منصبی کے ادا کرنے سے نہیں روکتی۔ ہر مذہبی امر میں ہم کو پوری آزادی دے رکھی ہے۔ برخلاف سکھوں کے کہ انہوں نے لاکھوں مسلمانوں کو ذلیل کرکے بلند آواز سے اذان تک کہنا منع کر رکھا ہے۔ اگر کوئی مسلمان بقرعید پر بھی قربانی کرے تو خالصہ سرکار ان کو جان سے مار ڈالے۔ یہی سبب ہے کہ خلیفہ صاحب انگریزوں کو چھوڑ کر سکھوں سے جہاد کرنے کو آئے۔" (34)۔

کہا جاتا ہے کہ سید بادشاہ اور آپ کے رفقاء و خلفاء کے جہاد کا دائرہ فقط سکھوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ گوروں کو بھی بلاد ہند سے نکالنا ان کے مقاصد میں شامل تھا۔ بلکہ بعض تو ڈاکٹر ہنٹر کی رپورٹ موسوم بہ "ہمارے ہندوستانی مسلمان" کی

رعایت سے بڑی شدومد کے ساتھ دعویٰ کرتے اور بہتے ہوئے پانی پر بنیاد مکان رکھتے ہیں کہ سید احمد شہید بریلوی نے انگریزوں کے بھی اوسان خطا کیے رکھے۔ ہوا کو مٹھیوں میں بند کرنے کا یہ بے سروپا کھیل مولانا غلام رسول مہر کی تحقیقات و تالیفات سے شروع ہوتا ہے۔ موصوف نے سید احمد شہید' سرگزشت مجاہدین اور جماعت مجاہدین وغیرہ کے نام سے اس بارے میں ایک طویل دفتر لکھ مارا۔ ظاہر ہے اس سلسلے میں انہیں کئی سنگلاخ راستوں سے گذرنا پڑا اور بہت سے سفر کیے۔ لہٰذا اس کی تفصیل و کیفیت انہوں نے ماہنامہ ''ماہ نو'' کراچی کے ایک شمارے میں بعنوان ''سید احمد شہید۔ ایک کتاب کی سرگزشت'' میں تحریر فرمائی۔ بقول ان کے' انہیں کتابوں کی سب سے زیادہ معلومات سید عبدالجبار شاہ ستھانوی سے ملیں۔ ستھانوی صاحب' سید احمد شہید بریلوی کے جہاد کو صرف سکھوں تک محدود سمجھتے اور بیان کرتے تھے۔ یہ روداد مولانا مہر کے قلم معجز رقم سے یوں شائع ہوئی:

''۱۹۳۳ء میں میری ملاقات سید عبدالجبار شاہ صاحب ستھانوی مرحوم سے ہوئی وہ دور حاضر کے ایک جلیل القدر فرد تھے۔ جن کے امتیازی اوصاف و محاسن کا تفصیلی ذکر یہاں نہیں چھیڑا جا سکتا۔ تاہم اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ وہ شیر خوار تھے' جب ان کے خاندان کے تمام افراد شہید کر دیئے گئے۔ وطن سے باہر انہوں نے تعلیم و تربیت پائی' پھر اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت ریاست امب کے مشیر و وزیر بنے۔ دو سال سوات کے بادشاہ بھی رہے۔ سرحد کے تاریخی و جغرافیائی حالات کا وہ دائرۃ المعارف ہیں۔ انہوں نے متعدد ضخیم جلدیں مرتب کر دیں جو علاقہ سرحد اور علاقہ آزاد کے ایک ایک رئیس' ایک ایک قبیلے' ایک ایک خط کے متعلق ہر قسم کی معلومات کا بیش بہا ذخیرہ ہیں۔ وہ بھی سید صاحب کے جہاد کو سکھوں تک محدود سمجھتے تھے۔ ان کا خاندان تین چار پشتوں سے سید صاحب اور جماعت مجاہدین کے مخلص رفیقوں میں چلا آتا تھا۔ اس وجہ سے سید عبدالجبار شاہ کی معلومات صاحب البعث کی معلومات بن گئی تھیں۔''(35)۔

لوگوں کا خیال ہے کہ ان تمام حقائق و شواہد کے باوجود مولانا مہر' الٹی سمت میں جولانیء طبع دکھانا اور اپنے قلم کا لوہا منوانا چاہتے تھے۔ رنگ آمیزی اور جدت طرازی اس پر مستزاد۔ وگرنہ اس کی کوئی واقعاتی شہادت موجود نہیں۔ اس بارے میں یہ رائے بھی قائم کی جاتی ہے کہ سید صاحب کے مذہبی عوام نے حسن عقیدت یا غلو عقیدت کی وجہ سے مذکورہ تاریخی افسانوں کو بالکل سچ سمجھنا اور سمجھانا شروع کیا۔ چلتے چلتے یہ نقطہء نگاہ اپنا جادو دکھا چکا۔ چونکہ موجودہ نسل میں روایت پرستی' کور ذوقی' اور بے بصری بدرجہء اتم پائی جاتی ہے اور حکومت پاکستان کو تاریخ کے پر پیچ گیسو سلجھانے سے کبھی دلچسپی نہیں رہی' اس لئے خواب و خیال کے حوالے بھی سند ٹھہر گئے۔ مزید ستم یہ ہوا کہ تحریک مجاہدین بالاکوٹ کے تاریخی خدوخال مسلکی غازے سے زیادہ منسوب رہے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی چہرۂ صداقت کی تلاش میں نکلتا ہے تو اس کے مقدر میں "فرقہ پرست" کی پھبتی اپنا اثر دکھا جاتی ہے۔ یہی سبب ٹھہرا کہ آج تک حقیقی منظرنامے پر غوروفکر نہیں کیا جا سکا۔

"جب یہ مجاہدین سکھوں سے جہاد کے لئے سرحد گئے تو (انگریزوں نے) ان کے بیوی' بچوں اور املاک کی پوری پوری حفاظت کی اور بعد میں ہندوستان سے جو مالی اور افرادی اعانت ہوتی رہی اس میں بھی رخنہ اندازی نہیں کی۔ اگر سید صاحب سرحد میں جاکر انگریزی حکومت سے جہاد کا اعلان کرتے تو انگریز' مجاہدین کے بیوی بچوں کو گرفتار کر لیتے۔ ان کے رشتہ داروں کو تکلیف اور اذیت پہنچاتے اور جائیداد ضبط کر لیتے لیکن ایسا نہ ادھر سے ہوا اور نہ ادھر سے کارروائی ہوئی۔" (36)۔

مجاہدین تحریک بالاکوٹ سے متعلق آج تک کسی تذکرہ یا سوانح میں منقول نہیں کہ سید صاحب یا کاروان میں شامل دیگر رضاکار اپنے بیوی و بچوں کو اپنے ہمراہ لے گئے ہوں۔

معترضین کا موقف ہے کہ سید صاحب کو حریت پرور اور مرد غیور اس لئے سمجھا گیا کہ وہ انگریزوں کی ناک کے عین نیچے یعنی پنجاب اور نواح دہلی میں کھلے عام

سکھوں سے لڑنے کا اعلان اور تیاری کرتے تھے مگر کوئی مداخلت نہ کرتا۔ یہ وہ دور تھا جب انگریزوں کے ظلم و تعدی کی آندھی چار سو چل چکی تھی اور عوام ان کے سائے سے بھی ڈرتے۔ سید صاحب نے سکھوں سے کھلے بندوں لڑائی کا عندیہ دیا تو قیادت سے محروم' جذباتی لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور سمجھے کہ اب ہمارے دن پھرنے کے دن بھی آ گئے ہیں مگر انگریزوں کی یہ نرم پالیسی بلکہ سرپرستی بلاوجہ نہ تھی۔ اندرون خانہ تو کچھ اور ہی تیور دیکھے گئے۔ مولانا جعفر علی تھانیسری لکھتے ہیں:

"اس وقت ہر شہر' قصبہ و گاؤں پر برٹش انڈیا یعنی انگریز علمداری واقع تھی۔ ہند میں علانیہ سکھوں پر جہاد کرنے کا وعظ ہوتا تھا مگر براہ دور اندیشی معرفت شیخ غلام علی صاحب رئیس اعظم الہ آباد کے نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر اضلاع شمالی و مغربی کو بھی سکھوں کے خلاف جہاد کی اطلاع دی گئی تھی جس کے جواب میں صاحب ممدوح نے یہ تحریر فرمایا کہ جب تک انگریزی عملداری میں کسی فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ ہو ہم ایسی تیاری کے مانع نہیں۔"(37)۔

مرزا حیرت دہلوی صاحب بھی بین السطور یہی مفہوم بیان کرتے ہیں:

"سید احمد صاحب نے عام طور پر دھڑاکے سے اپنے مریدوں کو ہر شہر میں یہ اجازت دے دی کہ سکھوں پر جہاد کرنے کے وعظ ہوں۔ اکثر شہروں میں وعظ ہونے شروع ہوئے..... لوگوں کے دلوں میں تحریک پھیل رہی تھی' اب عام طور پر ظاہر ہونے لگی اور سید صاحب کے پاس مجاہدین جمع ہونے لگے۔ سید احمد صاحب نے مولانا شہید کے مشورہ سے شیخ غلام علی رئیس الہ آباد کی معرفت لیفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی شمالی کی خدمت میں اطلاع دی کہ ہم لوگ سکھوں پر جہاد کرنے کی تیاری کرنے کو ہیں' سرکار کو تو اس میں کچھ اعتراض نہیں ہے۔ لیفٹیننٹ گورنر نے صاف لکھ دیا کہ ہماری عملداری کے امن میں خلل نہ پڑے' ہمیں کچھ سروکار نہیں نہ ہم ایسی تیاری کے مانع ہیں۔"(38)۔

یہاں بھی مولانا غلام رسول مہر کا موقف دیدنی تھا۔ وہ اور ان کی اتباع میں

بعض دیگر افراد بھی مذکورہ کتابوں پر الزام وارد کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ دونوں سوانح نگار، انگریز کے حامی اور خیر خواہ تھے' اس لئے سید صاحب کے نقطہء نظر میں تبدیلی کر دی۔

اس باب میں بھی مولانا مہر کی تحقیق بوجوہ معتبر تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ محقق حضرات کہتے اور قرائن موجود ہیں کہ موصوف کی طرف سے یہ سراسر الزام بلکہ بہتان ہے' کیونکہ انہوں نے انگریز مورخ ڈاکٹر ہنٹر کو جس جرات سے لتاڑا' یہ انہی کا حصہ تھا۔(39)۔

مذکورہ بالا حقائق و واقعات کی بنیاد پر بلا خوف تردید ثابت کیا جاتا ہے کہ سید بادشاہ اور ان کے پیروکاروں و رضاکاروں کا انگریزوں سے ٹکرانے کا ہرگز ہرگز کوئی پروگرام نہ تھا بلکہ ان میں تو دوستانہ و موافقانہ تعلقات دکھائی دیتے ہیں۔ انگریزوں کے خلاف "فسانہء جہاد" کی کوئی بنیاد نہیں۔ واقعی' سید بادشاہ کے حامیوں نے اس بارے میں مبالغے سے کام چلا رکھا ہے۔ لیکن سکھوں سے جدال و قتال کے باب میں بھی بعض تلخ حقائق منظر عام پر لائے جاتے ہیں۔ یہ انتہائی دلچسپ مگر ایک مورخ و محقق کے لئے از حد پیچیدہ صورتحال ہے۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ سید احمد شہید بریلوی وغیرھم کی سکھوں سے کہیں زیادہ جنگیں مسلمانوں کے خلاف ہوئیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ان کے نامانوس عقائد و افکار سے مذہبی منافرت و منافقت کو ہوا ملی اور لاتعداد کلمہ گو ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے گئے۔ سید بادشاہ نے آغاز جہاد اکوڑہ میں ۲۰ دسمبر ۱۸۲۶ء سے فرمایا اور آخری معرکہ بالاکوٹ میں چھ مئی ۱۸۳۱ء کو ہوا۔ اس مدت کے دوران میں آپ نے چھوٹی بڑی پندرہ لڑائیاں کیں۔ ان میں سے سکھوں کے خلاف جنگوں کی تعداد محض پانچ ہے۔ مزید بر آں یہ کہ ان میں بھی باقاعدہ جنگ صرف ایک ہوئی' چار شب خون مارے گئے تھے اور سرحدی مسلمانوں کے خلاف نو جنگیں لڑی گئیں' ان کی فہرس مندرجہ ذیل ہے۔

○ جنگ اوتمان زئی ○ جنگ ہنڈ اول ○ جنگ زیدہ ○ جنگ ہنڈ دوم ○ جنگ

کنیہ ڑی ○ جنگ کھلابٹ ○ جنگ مردان ○ جنگ مایار ○ جنگ چھتر بار۔

یہ لوگ شاہ صاحب کے نزدیک کافر و منافق اور سکھوں سے زیادہ خوفناک و خطرناک تھے۔ الغرض سکھوں سے جنگ و جدل کا معاملہ کئی لحاظ سے تشنہ طلب ہے۔ مخالفین کی طرف سے جو اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں' ان کے کوئی معقول جوابات نہیں بن پڑتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہنوز یہ پہلو خالصتا" تاریخی و تحقیقی نقطہء نگاہ سے کبھی زیر بحث نہیں لایا گیا۔ الزامات رفع کرنے کا انداز سراسر جذباتی اور مذہبیاتی ہوتا ہے۔ میں اس بارے میں بوجوہ کوئی رائے صادر نہیں کر سکتا' تاہم دیانت داری سے خیال کرتا ہوں کہ معترضین کے موقف میں استدلالی روح موجود ہے۔ مجاہدین مذکور کے کردار و عمل پر چند ایک اعتراضات مندرجہ ذیل ہیں:

○ اگر یہ لوگ انگریزوں سے ٹکرانا چاہتے تھے تو ان علاقوں میں حریت و آزادی کا پرچم بلند کرتے جو کہ دشمنوں کے زیر نگین آچکا تھا' مگر ہم دیکھتے ہیں کہ سید بادشاہ کے خلفاء و رفقاء نے گوروں سے جنگ و جدل کا کبھی کوئی اشارہ یا پروگرام نہیں دیا' انگریز بھی ان کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ وہ کبھی ان کی تیاریوں میں مزاحم نہیں ہوئے اور یہ کہ فریقین میں اعتماد کی فضاء قائم تھی۔

○ اسوقت ہم وطنوں اور ہم مذہبوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ انگریز تھے۔ سمندر پار سے آئی ہوئی عیسائی قوم' پاک و ہند پر تسلط جمانے کے لئے ہر حربہ آزما اور ہر میدان میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ تب جدید اسلحہ اور ریشہ دوانیوں کے سبب ابھرتی ہوئی قوت انگریز تھے نہ کہ سکھ۔ علاوہ ازیں یہ کہ انگریزوں کی شدید خواہش تھی کہ ہندوستانی عوام ایک دوسرے کے خلاف کسی نہ کسی طور ہتھیار اٹھالیں۔ لہٰذا بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اگر شاہ صاحب' انگریزوں کی بساط شطرنج کا مہرہ نہ تھے تو بھی ان کی حکمت عملی قوم و ملک کے لئے مضر ثابت ہوئی اور یہ تحریک گویا حماقتوں کا ایک المیہ باب ہے۔

○ ایک لمحہ فرض کر لیتے ہیں کہ سید بادشاہ سے غلط فیصلہ سرزد ہو گیا مگر وہ

سکھوں کے خلاف پورے اسلامی جوش و جذبہ اور خلوص نیت سے میدان میں اترے تھے تو بھی بہت سے وسوسے پیدا ہوتے اور متلاشیء صداقت کو مزید الجھا دیتے ہیں۔ اگر سید احمد شہید بریلوی کے پیروکار رضاکار سکھوں سے انتقام لینا چاہتے تھے تو میدان کارزار سکھوں کی عملداری میں سجتا؟ یا بلاواسطہ ان کی حکومت و ریاست سے مقابلہ ٹھہرتا؟ لیکن ہوا یہ کہ آپ سرحد تشریف لے گئے؛ حالانکہ اس علاقے کا اختیار و اقتدار مسلمان پٹھانوں کے ہاتھ میں تھا اور ان کی سکھوں سے کئی ایک لڑائیاں ہو چکی تھیں۔

○ اگر یہ موقف اختیار کیا جائے کہ سید صاحب' عسکری قوت بڑھانے' مسلم سرداروں کو اپنے ساتھ ملانے' چھوٹی موٹی جھڑپوں میں سکھوں کی فنی و حربی صلاحیت آزمانے اور اسلامیان سرحد کو جہاد کی سمت بلانے کے لئے تشریف لے گئے تھے تو بات پھر بھی نہیں بنتی؟ کیونکہ آپ کا اور آپ کے خلفاء و رفقاء کا رویہ' متذبذب کر دیتا ہے۔ منفی رویوں پر مثبت حوالوں کی یہ داستان بھی بڑی کربناک اور حیرت افزا ہے۔

○ حالات و واقعات کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے چاہئے تو یہ تھا کہ سید بادشاہ سکھوں کو بھی انگریزوں کے خلاف ابھارتے اور پھر عوام بلا تفریق مذہب و ملت اٹھ کھڑے ہوتے۔ مگر اس کے برعکس ہوا یہ کہ اولا" سرحدی مسلمانوں کی کمر ٹوٹی اور وہ کسی دشمن کے مقابل مزاحمت کے لائق نہ رہے۔ ثانیا" سکھ راج جو کہ انگریزوں کے لئے بھی درد سر تھا' اپنی عسکری قوت ان سے صف آرائی میں کھو بیٹھا۔ نتیجتا" نقشہ کچھ یوں بنتا ہے کہ سید احمد شہید بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی صاحب کی متلون مزاجی و طالع آزمائی کے سبب پہلے تو غیور و جسور مسلم پٹھانوں کا معاملہ انگریزوں اور سکھوں کے لئے صاف ہوا اور ساتھ ہی سکھ بھی جنگی توانائیوں سے محروم ہوتے چلے گئے۔

○ ایک ثقہ تذکرہ نگار محمد محبوب علی خان لکھنوی دلائل و براہین سے واضح

کرتے ہیں کہ اسماعیل دہلوی اور ان کے مرشد سید احمد بریلوی کی اس جنگ سے انگریزوں کو حسب ذیل فائدے ہوئے۔

1 * دہلی اور ہندوستان کے دیگر بلاد' آسانی کے ساتھ بہادر لور غیرت مند مسلمانوں سے اکثر خالی ہو گئے۔

2 * مغل سلطنت کے جانثار اس کے قرب میں کم ہو گئے۔

3 * سلطنت ہند کی قوت کمزور سے کمزور تر ہو گئی۔

4 * ہندوستان پر مکمل قبضہ کرنا انگریزوں کے لئے آسان ہو گیا۔

5 * ان دونوں کی ایجنٹی سے انگریزوں کی قوت بڑھ گئی۔

6 * ان کی جنگ زرگری سے پنجاب پر بھی انگریزوں کا تغلب آسان ہو گیا۔

7 * سرحدی مسلمانوں میں ان دونوں نے پھوٹ ڈال دی۔

8 * آزاد قبائلیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ انہیں ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیا۔

9 * قبائلی مسلمانوں کے قتل کے فتوے بار بار لکھے اور شائع کئے۔

10 * پٹھانوں کی طاقت کمزور کرا دی۔

11 * کافروں کے مقابل ان کی ہوا خیزی کرائی۔

12 * کتاب تقویتہ الایمان کے ذریعے مسلمانوں میں نفاق و شقاق کی آگ بھڑکائی۔

13 * دوسری ریاستوں اور حکومتوں کو بھی خطوط و سفیر بھیج بھیج کر پنجاب کی طرف متوجہ کیا اور سلطنت مغلیہ کی مدد سے غافل کر دیا۔

14 * فرقہ بندی کرائی' گھر گھر لڑائی کرائی' کچھ دنوں بعد ہی برٹش نے تغلب کیا اور کچھ دنوں بعد ان کی مدد کی بناء پر انگریزوں نے نہ صرف دہلی بلکہ تمام ہند پر تسلط پا لیا۔-(40)-

○ مجاہدین بالا کوٹ کا قصہ' جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے تقریباً" چھبیس سال پہلے ہی تمام ہو گیا۔ کیا اچھا ہوتا کہ اگر یہ افرادی قوت اور ٹوٹا پھوٹا جنگی سامان بھی

اس موقع پر کام آتا؟ موزوں وقت پر ایک بھرپور وار کیا جاتا اور ایک ساتھ کیا جاتا تو ممکن ہے کہ ملک کی تقدیر مختلف ہوتی---- یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ جنگ آزادی میں اس کے بہت مضر اثرات مرتب ہوئے۔ چونکہ سید صاحب کے غلط اقدامات سے سکھوں کے ساتھ ٹھن گئی تھی' لہٰذا وہ اس نازک وقت میں تمام سرگرمیوں سے عملاً لاتعلق رہے اور یہ منظر انگریزوں کے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوا۔ المختصر اس طرح بہت ہی قیمتی سرمایہ' امید و حوصلہ اور اعتقاد و اعتماد اہل وطن کی دسترس سے نکل چکا تھا۔

مورخین و محققین اور سید صاحب کے تذکرہ نویسوں و سوانح نگاروں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بالاکوٹ کے مقام پر آخری معرکہ میں آپ کے خلاف سکھ اور مسلمان دونوں متحد ہو گئے تھے۔ سکھ مسلم اتحاد کا پس منظر بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ سکھ سورماؤں اور سرحدی مسلمانوں کی مجادلت و مقاتلت باقاعدہ جاری رہتی تھی۔ یہ وقتاً" فوقتاً" باہم خون بہاتے رہتے۔ سردار پائندہ خان بڑا رعب دار اور جری مرد تھا۔ اس نے ہمیشہ سکھوں کو تاخت و تاراج کیا۔ اس بارے میں بیان ہوتا ہے:

"اوپر مانسہرہ و شکاری وغیرہ کے' چند بار سردار پائندہ خان نے شب خوں مارا۔ باوجود موجود ہونے فوج گراں کے بہ حالت شب خون کوئی مقابلہ خان موصوف کا نہ کر سکا۔ سکھ و رعایا کہ نام پائندہ خان کا سنتے ہی دل تھرتھرا جاتا تھا۔ ایسا رعب پائندہ خان کو پروردگار نے دیا تھا۔" (41)۔

غلام رسول مہر صاحب' پائندہ خان کے بارے میں بقلم خود لکھتے ہیں:

"خان صاحب' بلند ہمت اور باتدبیر رئیس تھا..... اس کی شجاعت و اولوالعزمی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ سب سردار سکھوں سے دب گئے لیکن وہ ہزاروں مصیبتوں اور پریشانیوں کے باوجود بدستور مقابلے پر جما رہا۔" (42)۔

الغرض ہوا یہ کہ ایسے جاں فروش سردار کے خلاف سید بادشاہ نے فتوئ کفر

جاری فرما کر اعلان جہاد کیا۔ پائندہ خان کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ اپنے قدیم دشمن سکھ سے اتحاد پر مجبور و معذور ہو گئے۔ اور سردار پائندہ خان نے سردار ہری سنگھ کو اس مضمون کا ایک خط ارسال کیا کہ فلاں لوگوں نے میرا ملک چھین لیا ہے۔ اگر اس مرحلے پر آپ میری کمک کے لئے فوج روانہ کریں تو میں ہمیشہ آپ کا احسان مند رہوں گا۔

سردار ہری سنگھ نے سوچ سمجھ کر اس کا جواب لکھوایا' میں کمک بھیجنے کے لئے تیار ہوں بشرطیکہ تم اپنا ایک بیٹا جہانداد خاں میرے پاس گروی رکھ دو تاکہ باہم اعتماد باقی رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سید بادشاہ نے پائندہ خان کو ہر طرح سے ذلیل و رسوا کیا اور مصلحتاً اس کے کفر کا فتویٰ بھی صادر فرما رکھا تھا۔ قصہ کوتاہ "سردار موصوف نے اپنے فرزند دلبند جہانداد خاں کو برسم گرو سردار ہری سنگھ کی خدمت میں بھیج دیا' تب سردار مذکور نے دو پلٹن جنگی مع سامان جنگ پائندہ خان کی مدد کو روانہ کیں اور خود مع سردار مہا سنگھ اور فوج کشمیر سکھاں کی مانسہرہ سے طرف پھلڑہ بارادہ جنگ "ہندوستانیاں" شباشب راہ پیما ہوا۔" (43)۔

چنانچہ پھلڑہ کے مقام پر گھمسان کا رن پڑا۔ ازاں بعد ایک اور زبردست جنگ بالاکوٹ میں ہوئی۔ بالاکوٹ وہ آخری معرکہ تھا جس میں سید صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ موت سے دوچار ہو گئے۔ مولانا مہر اعترافاً" لکھتے ہیں:

"سکھوں کے ساتھ اور ان کے زیر اثر ہزاروں مقامی مسلمان تھے' ان میں اکثر کے جسم بلاشبہ سکھوں کے فرمانبردار تھے۔" (44)۔

سید صاحب' ٦ مئی ١٨٣١ء کو بروز جمعہ سکھوں اور مسلمانوں سے جنگ لڑتے ہوئے مارے گئے۔ فسانۂ جہاد ختم ہوا اور تاریخ میں اس افسانے کا افسانہ ہنوز باقی ہے ---- لطف یہ ہے کہ اس کے بعد سردار پائندہ خان نے اپنے لڑکے کی بازیابی کے لئے دوبارہ سکھوں سے پنجہ آزمائی کرکے ان کے دانت کھٹے کئے اور کئی معرکوں

کے بعد وہ اپنے لخت جگر و نور نظر کو سکھوں کے چنگل سے چھڑانے میں کامیاب ٹھہرا۔ مذکورہ بالا اسباب و علل کی بناء پر ہی سید بادشاہ کا سکھوں سے آمنا سامنا ممکن ہو سکا' لیکن ایک جامع منصوبہ کے تحت ناقابل تردید حقائق و واقعات کی عزت و ناموس بھی محفوظ نہ رہنے دی گئی۔

اس تاریخی بحث اور واقعاتی روداد سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

1 * مجاہدین بالاکوٹ کی انگریز قوم سے کبھی کشمکش یا مناقشت نہیں رہی۔

2 * سید بادشاہ کے خلفاء و رفقاء اور پیروکاروں و رضاکاروں نے اپنے طور پر ابھی سکھوں سے اعلان جہاد نہیں کیا تھا کہ وہ ایک معاہدہ کے سبب سردار پائندہ خان کی حمایت میں نکل آئے اور یوں دھیرے دھیرے یہ بات زیب داستان بن گئی۔

3 * یہ کہ شاہ صاحب کی زیادہ جنگیں سرحدی مسلمانوں سے ہوئیں اور بادی النظر یوں لگتا ہے کہ جیسے علاقہء پشاور میں ان کی آمد اسی غرض سے ہو۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ سرحدی مسلمانوں اور سید احمد شہید بریلوی کے جانثاروں میں وجہء عناد کیا تھی؟ اور اس قدر کھلی دشمنی کا کیا راز ہے؟

قرائن بتلاتے ہیں کہ بطور امیر المومنین' سید صاحب کے رنگ ڈھنگ' مولانا اسماعیل شاہ دہلوی کے ملفوظات اور ان کی طرف سے نامزد کئے گئے حکام و عمال کے طور و طریقے' عوام کے لئے کسی طور پر بھی قابل قبول نہ ہو سکتے تھے۔ افکار و عقائد میں کھلے تصادم کے علاوہ معاشرتی اصلاحات کے نام پر بھی جانے کیا کیا کچھ روا رکھا گیا؟

ابتدا" سرحدی مسلمانوں نے دین کے نام پر اپنی والہانہ وابستگی و شیفتگی کا ناقابل فراموش مظاہرہ کیا تھا اور سکھوں کے خلاف دعوت جہاد پر لبیک کہتے ہوئے مختصر مدت میں ایک لاکھ سے کہیں زیادہ' سید بادشاہ کی قیادت میں جمع ہو گئے تھے۔

مولانا غلام رسول مہر کے بقول:

"دو مہینوں میں اسی ہزار سرحدی عوام جہاد کے لئے فراہم ہو گئے۔ سرداران

پشاور کا لشکر اس سے الگ تھا۔ اس کی تعداد بیس ہزار بتائی جاتی تھی۔۔۔۔ اسی ہزار کی فراہمی میں سب سے بڑا حصہ فتح خان پنجتاری' اشرف خان اور خادی خان کا تھا۔" (45)۔

اس کے برخلاف شاہ اسماعیل دہلوی صاحب نے شاید پیش بندی کے طور پر اجتماع پنجتار میں موجود علماء سے قبل از وقت یہ فتویٰ حاصل کیا اور مشتہر کروایا۔

" ○ اثبات امامت کے بعد حکم امام (سید احمد شہید صاحب) سے سرتابی سخت گناہ اور قبیح جرم ہے۔

○ مخالفوں (مسلمانوں) کی سرکشی اگر اس پیمانے پر پہنچ جائے کہ قتال کے بغیر اس کا استیصال ممکن نہ رہے تو تمام مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ ان مخالفوں کی تادیب کے لئے تلواریں نکال لیں اور امام کا حکم بزور مخالفوں کا نافذ کریں۔

○ اس (متوقع) معرکہ میں لشکر امام سے جو شخص قتل ہو گا وہ شہید و نجات یافتہ سمجھا جائے گا اور لشکر مخالف کے مقتولین مردود و ناری متصور ہوں گے۔ ان کی حالت اکثر فاسقوں مثلاً زانیوں اور سارقوں سے بھی بدتر ہو گی۔ اس لئے کہ فاسقوں کے جنازے کی نماز واجب ہے لیکن ان مخالفوں (مسلمانوں) کے جنازے کی نماز بھی جائز نہیں"۔ (46)۔

خود سید بادشاہ نے مجاہدین کا ایک گروہ اہل خیبر (سرحد) کے پاس حصول امداد کے لئے بھیجا تھا' اس کے امیر' ان کے بھانجے سید احمد علی تھے۔ سید بادشاہ نے ایک محضر نامہ بھی ساتھ روانہ کیا جس کا مضمون مولانا مہر نے یہ بیان کیا ہے۔

"مجاہدین کی اعانت و رفاقت' ایمان و انقیاد کے علامت ہے۔ ان سے الگ رہنا نفاق و فساد کا نشان ہے۔ بغی و طغیان کا دائرہ اتنا پھیل چکا ہے کہ انہیں ختم کئے بغیر جہاد ممکن نہیں رہا۔ لہٰذا منافقوں (سردار پائندہ خان وغیرہم) کے مقابلے کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اسے جہاد کا اعلیٰ مرتبہ سمجھو۔" (47)۔

دراصل سردار پائندہ خان نے اپنی ریاست و حکومت سے دستبردار ہو کر سید

بادشاہ کی اطاعت سے انکار کر دیا تھا اور وہ فتویٰ کفر کے مستحق گردانے گئے۔ ایک قریب العہد مورخ لکھتے ہیں:

"سردار پائندہ خان نے خلیفہ کی بیعت نہ کی لہٰذا خلیفہ جانب پائندہ خان سے بدگمان تھا۔"(48)۔

مجاہدین مذکور کی شدت سے متعلق مرزا حیرت دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

"معمولی باتوں پر کفر کا فتویٰ ہو جانا کچھ بات ہی نہ تھا۔"(49)۔

شیخ محمد اکرام صاحب نے ایک واقعہ قلمبند فرمایا ہے:

"ایک موقع پر جب مذکورہ جماعت کے ایک قائد قاضی سید محمد حبان کے اس ارشاد پر کہ جو اہل رسوم' خدا و رسول کے حکم کے خلاف باپ دادا کی ریت پر چلتے ہیں وہ عملاً کافر ہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ "منیتہ المصلی" میں اہل رسوم کو کافر نہیں کہا گیا تو اس کا جواب گھونسوں سے دیا گیا اور قائد موصوف نے اس وقت تک معترض کو نہ چھوڑا جب تک اس نے دوبارہ کلمہ نہ پڑھ لیا یا بالفاظ واضح تر اسے دوبارہ مسلمان بنایا گیا۔"(50)۔

اس باب میں مورخ مذکور کے تاثرات بھی خاص طور سے قابل ذکر ہیں:

"بعض مخلص قدیم الخیال ہستیوں کو بھی سید صاحب کے بعض ساتھیوں کے طور طریقے' بلکہ عقائد بھی کھٹکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سرداران پشاور اور علماء کا مجاہدین کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم ہو گیا۔ مجاہدین کے خارج از اسلام اور واجب القتل ہونے کے فتوے دیئے گئے۔"(51)۔

یہ اعتقادی اختلافات کا سلسلہ ہے۔ اس سلسلے کی ایک اور کڑی انتہائی دلچسپ ہے۔ اخوند عبدالغفور صاحب علاقہ سوات میں ایک چلہ کش اور مرجع خلائق بزرگ تھے۔ ابتدا" انہوں نے بھی سید بادشاہ کی ہمنوائی فرمائی لیکن ازاں بعد فکری و نظری اختلافات کی وجہ سے علیحدہ ہوئے۔ مسلمان حاکم خادی خان انہی کا مخلص مرید تھا۔ یہ مجاہدین بالاکوٹ کے ہاتھوں جنگ میں کام آیا اور اسی طرح جب سلطان محمد خان کا

معرکہ ہوا تو اس نے بھی دو ٹوک الفاظ میں برملا کہا:

"جہاد کی باتیں ابلہ فریبی کا کرشمہ ہیں۔ تم لوگوں کا عقیدہ برا اور نیت فاسد ہے۔ بظاہر فقیر بنے بیٹھے ہو' دل میں امارت کی ہوس ہے۔ ہم نے خدا کے نام پر کمر باندھ لی ہے کہ تمہیں قتل کریں تاکہ زمین تمہارے وجود سے پاک ہو جائے۔"(52)۔

اس تنازع میں فریق اول یعنی سید صاحب کا زاویہء نظر و ندرت تاویل بھی تاریخ کا حصہ ہے۔ آپ نے سردار میر عالم باجوڑی کو ایک مکتوب میں لکھا:

"منافقین کے ساتھ جہاد کرنا بحکم "مقدمتہ الواجب" ایک واجب معاملہ ہے' اس لئے خاکسار' سچے مسلمانوں کے ساتھ شہرپشاور اور قرب و جوار سے بدکردار منافقوں کی گندگی کو پاک کرنے کا مصمم ارادہ کرکے موضع پنجتار تک پہنچ گیا ہے۔"

-(53)

شاہ اسماعیل دہلوی صاحب کا ایک مکتوب گرامی ملاحظہ فرمایئے:

"یہاں دو معاملے در پیش ہیں۔ ایک تو مفسدوں اور مخالفوں کے ارتداد کا ثابت کرنا اور قتل و خون کے جواز کی صورت نکالنا اور ان کے اموال کو جائز قرار دینا' اس بات سے قطع نظر کہ وہ ان کے ارتداد پر یا ان کی بغاوت پر مبنی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا آیا کوئی سبب ہے یا کچھ اور ہے جب کہ بعض اشخاص کے مقابلے میں ان کا مرتد ہونا ثابت ہو چکا ہے اور بعض کے متعلق بغاوت یا اس کا کوئی اور سبب اگرچہ پہلا طریقہ ہمارے پاس وہی تحقیق اور تفتیش کرنا ہے کیونکہ ہم فتنہ پردازوں کو فی الحقیقت مرتدوں بلکہ اصل کافروں میں شمار کرتے ہیں۔"(54)۔

"مرتدوں بلکہ اصل کافروں" سے مراد سرحد کے حنفی المسلک مسلمان ہیں۔ ان کے بارے میں سید بادشاہ اس قدر غصہ رکھتے تھے کہ رئیس قلات کو لکھتے ہیں:

"مناسب اور مصلحت یہ ہے کہ ایسا کیا جائے کہ سب سے پہلے تو منافقوں کے استیصال کے متعلق انتہائی کوشش کی جائے اور جب جناب والا کے قرب و جوار کے علاقہ میں ان بدکردار منافقین کا قصہ پاک ہو جائے تو پھر اطمینان خاطر اور دلجمعی کے

ساتھ اصل مقصد (سکھوں) کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے مصلحت وقت یہی ہے کہ پہلے تو منافقین کے فتنہ و فساد کے دفعیہ کے لئے سخت کوشش فرمائیں گے۔"
-(55)

اس موقف کی تائید میں کہ مجاہدین بالاکوٹ' سکھوں سے نہیں بلکہ براہ راست مسلمانوں سے ہی ٹکراتے تھے' سید صاحب کا ایک گرامی نامہ انتہائی اہم ہے۔

"چونکہ منافقوں اور فساد برپا کرنے والوں نے سرکش کفار کی حمایت پر کمر باندھ لی ہے اور مجاہدین سے دشمنی برت رہے ہیں۔ اس لئے ان کی گوشمالی اور کفرو فساد کے خلاف جہاد کی مہم چلانا ضروری ہے۔ اسی بناء پر میں نے تمام منافقین کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے مجاہدین کو ترغیب دی ہے...... اس کے بعد یہ عاجز اپنے سچے اور مخلص مجاہدین کے ساتھ لاہور کی طرف کفراور سرکشی کے ازالے کے لئے روانہ ہو جائے گا' کیونکہ اصل مقصد پنجاب کے سکھوں سے جہاد کرنا ہے۔"
-(56)

امیرالمومنین حضرت سید احمد شہید بریلوی سرحدی کلمہ گوؤں کو بالعموم ارشاد فرمایا کرتے تھے:

"آپ لوگ کلمہ توحید بھی محض عادتاً" پڑھتے ہیں۔" (57)-

وقائع نگار نے سید بادشاہ کی جنگی مہارتوں اور یورشوں کے بیان میں جو کچھ لکھا' اس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ ان کی توپ کے گولوں سے کتنے مسلمان مارے گئے اور زیدہ میں یار محمد خان کے کتنے ساتھی تہ تیغ ہوئے۔ سید صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میرا ساتھی شہیدان کربلا میں سے ہو گا اور مخالف' لشکر یزید لعین میں سے ہے۔

المختصر امیر مجاہدین بالاکوٹ کے کردار و عمل سے جو حقائق منظر عام پر آئے ان سے ثابت ہو چکا کہ انگریزوں سے لڑنا جھگڑنا تو کجا' یہ بات ان کے حاشیہء خیال میں

بھی نہ تھی۔ مزید بر آں یہ کہ انہوں نے اپنے آبائی وطن میں سکھوں کے خلاف جہاد کا وعظ و تبلیغ بہرحال فرمایا لیکن قافلہ وہاں سے چلا تو لاہور پر حملہ آور ہونے کی بجائے' انہوں نے سرحد میں ڈیرے ڈال دیئے اور سکھوں کو سبق سکھانے سے قبل ہی سرحدی مسلمانوں سے ٹکرا گئے یا یوں کہہ لیجئے کہ سرحدی مسلم پٹھانوں نے ان کے خلاف اپنی تلواریں تیز کرلیں۔ تاریخی لحاظ سے یہ دعویٰ سوفی صد بے بنیاد ہے کہ سید صاحب' سرحد میں بغرض جہاد تشریف لے گئے تھے۔ اگر وہ عزم جہاد رکھتے تھے تو یہ مسلم سرداروں کے خلاف تھا' نہ کہ سکھوں کے۔ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ جہاد کے لئے نہیں بلکہ تیاریء جہاد کو وہاں پہنچے تھے تاکہ آزاد مسلم علاقہ سے افرادی قوت میسر ہو اور اسلحہ ہاتھ آئے۔ مگر اس توجیہہ و تاویل میں بھی مندرجہ ذیل سرگزشت نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ ۱۸۳۰ء میں مجاہدوں نے پشاور' مردان اور سوات کی مسلم آبادی کو بزور شمشیر محکوم بنا کر سردار پائندہ خان سے بیعت لینا چاہی لیکن وہ رضامند نہیں ہوا' اور دوبارہ صف بندی کر کے اور سکھوں سے مدد لے کر قسمت آزمانے نکلا اور انہیں علاقہ چھوڑ کر بالاکوٹ کی طرف جانے پر مجبور کر دیا۔ ایک تذکرہ نگار نے اس ضمن میں "جنگ خلیفہ سید احمد شہید بریلوی ملقب بہ سید بادشاہ و مولوی محمد اسماعیل دہلوی ہمراہ سردار پائندہ خاں" کے تحت لکھا ہے:

"راویان معتبر بچشم دیدہ نقل کرتے ہیں کہ ۱۸۳۰ء میں خلیفہ سید احمد نے یار محمد خاں حاکم پشاور و کوہاٹ برادر دوست محمد خاں والیء کابل کو بہ پشت گرمی لشکر غازیاں شکست دی اور ملک پشاور و کوہاٹ پر قبضہ کرکے اپنے تھانہ جات مقرر کئے اور بہ لقب سید بادشاہ مشہور ہوا...... سردار پائندہ خاں نے خلیفہ کی بیعت نہ کی' لہٰذا خلیفہ جانب پائندہ خان سے بدگمان تھا۔" (دیکھئے' تاریخ تناولیاں)

مذکورہ بالا قرائن و شواہد اور حالات و واقعات سے نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ سید بادشاہ کی تمام توانائیاں' مسلمانوں سے لڑنے جھگڑنے میں صرف ہو گئی تھیں ----- چلو مان لیا کہ سرحدی مسلمان سازش کا شکار ہوئے اور "اس گھر کو آگ لگ گئی گھر

کے چراغ سے" کے مصداق' معاملہ آگے نہ بڑھ سکا۔ خیر یہ بھی درست کہ نام نہاد مسلمانوں نے سید صاحب کی قدرومنزلت نہ پہچانی اور ان کی جہالت و غداری کی وجہ سے بات بن نہ سکی۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ مختصر عرصہء امارت میں سید بادشاہ کے بعض قاضیوں اور عمال و حکام کا کردار بھی از حد رسوا کن اور شرمناک ٹھہرا۔ یہ روداد غیر جانبدار مورخین اور دیانت دار محققین کی زبانی سنئے اور سر دھنئے!!

امیرالمومنین سید احمد شہید بریلوی اور مولانا اسماعیل شاہ دہلوی صاحب کے ایک معتقد سوانح نگار بطور تحسین لکھتے ہیں:

"ایک نوجوان خاتون نہیں چاہتی تھی کہ میرا نکاح ثانی ہو مگر مجاہد صاحب زور دے رہے ہیں' نہیں' ہونا چاہئے۔ آخر ماں باپ اپنی نوجوان لڑکی کو حوالہء مجاہد کرتے تھے' اس کے سوا ان کو کچھ چارہ نہ تھا۔" (58)۔

مولوی محمد علی قصوری صاحب' ایم اے کینٹ (مشہور اہلحدیث عالم' ادیب اور رہنما) اپنی شہرہ آفاق کتاب "مشاہدات کابل و یاغستان" میں جماعت مجاہدین کی ایک اہم شخصیت و سید بادشاہ کے قابل اعتماد ساتھی' امیر نعمت اللہ کے کرتوتوں اور بعض دیگر تاریخی حقائق کو مجبوراً" تحریر فرماتے ہیں:

"عورتوں کے بے حد شوقین تھے۔ تین تو ان کی نکا حتا" بیویاں تھیں اور دس بارہ نہایت خوبصورت لڑکیاں بطور خادماؤں کے رکھتے تھے۔ امیر حبیب اللہ خاں کی طرح' امیر نعمت اللہ کا بھی زیادہ وقت انہی نوجوان لڑکیوں سے لہوولعب میں گزرتا تھا۔"

"کسی شخص کو بیت المال کے متعلق امیر صاحب سے سوال کرنے کا حق نہ تھا۔ میں نے سنا کہ بعض گستاخوں نے بیت المال کے متعلق سوال کرنے کی جسارت کی' مگر اس کا جواب یہ ملتا کہ رات کو چپکے سے امیر جماعت کے معتمد انہیں ختم کر دیتے تھے اور پھر اس کا ذکر بھی کوئی شخص نہیں کر سکتا تھا۔"

"امیر صاحب کی خادماؤں میں کوئی لڑکی حاملہ ہو جائے تو اس کے بچے کو

پیدائش کے بعد گلا گھونٹ کر چپکے سے دریا برد کر دینا' امیر جماعت کی عادت تھی کہ ان خادماؤں کو اکثر بدلتے رہتے تھے۔ جو خادمائیں اس طرح الگ کی جاتی تھیں ان کی شادیاں انہی لوگوں میں سے کسی ایک سے کر دی جاتی تھی اور اسے نہایت عمدہ جہیز اور ماہوار خرچ مل جاتا تھا اور یہ امر اس درجہ افسوسناک تھا کہ ان میں سے جو لڑکی غیر معمولی طور پر خوبصورت ہوتی وہ شادی کے بعد بھی امیر جماعت کی توجہات کا مرکز بنی رہتی۔"

"رحمت اللہ بھی اپنے بھائی کی طرح بہت بد چلن اور آوارہ مزاج نوجوان تھا۔ اگر امیر نعمت اللہ کو لڑکیوں کی رغبت نے معطل کر رکھا تھا' تو انہیں نوجوان لڑکوں کی محبت نے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر رکھا تھا۔"(59)۔

مولانا غلام رسول مہر نے خود بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ کاروان سید کے کردار و عمل پر عوام و خواص میں انگلیاں اٹھتی تھیں اور سرحد کے ذی وقار علماء دین نے جماعت مجاہدین پر جو اعتراضات کئے تھے' ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

○ مجاہدین' نفسانیت کے پیرو ہیں اور لذات جسمانی کے جویا۔

○ وہ ظلم و تعدی کے خوگر ہیں۔ بلاوجہ شرعی مسلمانوں کے اموال اور نفوس پر دست درازی کرتے ہیں۔

○ وہ افغانوں کی لڑکیوں کو جبراً" ہندوستانیوں (اپنے ساتھیوں) کے حوالے کرتے ہیں۔(60)۔

شہید موصوف کے مخالفین یہ بھی کہتے ہیں کہ نکاح ثانی کی ترغیب عملاً ایک المیہ بن کر رہ گئی تھی۔ اس آڑ میں جانے کیا کیا کھیل کھیلے اور گل کھلائے گئے؟ ملاحظہ فرمائیں:

"سید صاحب نے صدہا غازیوں کو مختلف عہدوں پر مقرر فرمایا تھا کہ وہ شرع محمدی کے موافق عمل درآمد کریں۔ مگر ان کی بے اعتدالیاں حد سے زیادہ بڑھ گئی تھیں۔ وہ بعض اوقات نوجوان خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ ان سے نکاح کرلیں اور

بعض اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ عام طور پر دو تین دوشیزہ لڑکیاں جا رہی ہیں' مجاہدین میں سے کسی شخص نے انہیں پکڑا اور مسجد میں جاکر نکاح پڑھا لیا۔"(61)۔

ایک سچے و پکے جانثار کا بالکل سچا اور پکا اقرار مطالعہ فرمایئے:

"مجاہدین میں سب طرح کے آدمی تھے۔ برے بھی اور بھلے بھی' بلکہ یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ برے زیادہ اور بھلے کم تھے۔"

"غضب یہ تھا کہ ان پر کوئی حاکم مقرر نہ تھا کہ پبلک ان کی اپیل اعلیٰ حکام کے آگے پیش کرے۔ ان ہی بے دماغوں کے فیصلے ناطق سمجھے جاتے تھے اور تسلیم کر لیا جاتا تھا کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس میں کوئی بات بھی قابل تنسیخ و ترمیم نہیں ہے۔"

"کبھی اعلانیہ طور پر سید صاحب کے کسی ساتھی کو سزا نہیں دی گئی حالانکہ اکثر ناجائز افعال ان سے سرزد ہوا کرتے تھے۔"

"سید صاحب کی خدمت میں شکایتوں کی عرضیاں گزر رہی تھیں مگر وہاں کچھ بھی پرسش نہ ہوتی تھی۔ آپ کو یقین تھا' شریعت کے ارکان کی پابندی کرنے کے چونکہ یہ عادی نہیں ہیں اور اب انہیں پابندی کرنی پڑتی ہے' اس لئے یہ ہمارے آدمیوں سے ناراض ہوتے ہیں۔"(62)۔

مندرجہ بالا تاریخی شہادتوں کے پیش نظر شیخ محمد اکرام صاحب انتہائی محتاط لہجے میں یوں اظہار خیال فرماتے ہیں:

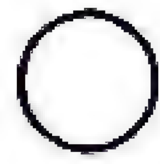
"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سید صاحب کے بعض ساتھیوں کا رویہ ہمدردی اور معاملہ فہمی کا نہ تھا بلکہ وہ جلد ہی فاتحانہ تشدد پر اتر آئے تھے۔"(63)۔

باوجود اسکے' زیر نگاہ کتاب کے مولفہ فرماتے ہیں:

"علاقہ سرحد میں مولانا مولوی سید احمد بریلوی اور مولانا اسماعیل شہید نے انگریزوں کے خلاف وہ آگ بھڑکا دی تھی' جو بجھنے میں نہ آئی۔"(64)۔

موصوف نے یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہ فرمائی کہ سرحد میں انگریزوں کی

عملداری تھی کب؟---- جہاں دشمن کا گزر نہ ہو وہاں کمند جہاد کیا معنی؟----
ایک اور اعتراض یہ ہے اور میرے ناقص خیال میں بجا طور سے توجہ طلب ہے کہ اگر "شہیدین" کا جذبۂ جہاد واقعی اس قدر بڑھا ہوا تھا تو کم از کم اس کی کوئی جھلک انکے ملفوظات و تالیفات میں بھی دیکھتے---- اس دور میں تقویۃ الایمان اور صراط مستقیم ان سے یادگار ہیں۔ ان میں سے مسئلہ جہاد بالسیف کا سراغ تک نہیں ملتا---- بناء بریں یہ بھی کوئی بتلائے کہ سکھوں سے لڑنا تھا تو پنجاب میں جاتے' سرحد میں کیونکر تشریف لائے اور ڈیرے جمائے تھے؟



یہ کتاب---- "ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء"---- پاکستان میں کمیاب بلکہ نایاب ہے۔ اسے مفتی انتظام اللہ شہابی نے مرتب و مدون کیا اور دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ ہمیں اپنے ایک کرم فرما..... کی وساطت سے یہ تاریخی نسخہ منظرعام پر لانے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ بنیادی طور پر اس کا موضوع ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہے' جسے انگریز مورخ نے "غدر" کا نام دیا۔ بناء برین برصغیرپاک و ہند میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام اور اس کے خلاف علمائے دین کی جدوجہد کے دائرہ کار سے متعلق دیگر ادوار کا بھی احاطہ کئے ہوئی ہے۔

علمی دیانت کا تقاضا ہے کہ مصنف/ مولف کے الفاظ و مطالب پر کسی طور بھی دست درازی نہ کی جائے' سو ہم من و عن جملہ متن اور عبارت و حاشیہ میں کسی قسم کی کمی و بیشی کئے بغیر (حرف بحرف) کتاب مذکور چھاپ رہے ہیں۔ لیکن چونکہ کئی ایک اہل قلم جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کو' تحریک مجاہدین بالا کوٹ کی صدائے بازگشت ثابت کرنے پر مصر دکھائی دیتے رہے اور دے رہے ہیں نیز یہ کہ "تحریک مجاہدین بالاکوٹ" کے بعد مسلمانان ہند کی طرف سے آزادی کی ہر کوشش کا سلسلہ اسی تحریک سے ملاتے آئے اور ملا رہے ہیں۔ با ایں سبب' باب تاریخ میں تحقیقی ذوق

رکھنے والے ارباب علم کے لئے "تصویر کا دوسرا رخ" بھی پیش کیا جانا' اہمیت و افادیت کا حامل نظر آ رہا تھا۔ لہٰذا ہماری مخلصانہ و دیانت دارانہ پیش کش آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ قارئین محترم کی تنقیدی آراء کا انتظار رہے گا۔

حوالہ جات

1:- ماہنامہ میثاق لاہور' جولائی ۱۹۸۹ء (ترتیب و تسوید شیخ جمیل الرحمٰن' ص ۳۴)

2:- تاریخ تناولیاں' سید مراد علی (علی گڑھی) تالیف ۱۸۷۵ء' ص ۴۹ تا ۵۲)

3:- افادات مہر صفحہ ۲۳۱ بحوالہ 'امتیاز حق از راجا غلام محمد ص ۶

4:- افادات مہر مرتبہ ڈاکٹر شیر بہادر پنی۔ دیکھئے ص ۲۳۹' ۱۹۳' ۱۹۸ اور پیش لفظ امتیاز حق

5:- تواریخ ہزارہ ص ۲۳۰

6:- حاشیہ مقالات سرسید' (حصہ شانزدہم) از محمد اسماعیل پانی پتی ص ۳۵۲

7:- حاشیہ "مقالات سرسید" (حصہ شانزدہم) از شیخ محمد اسماعیل پانی پتی ص ۲۴۸

8:- "مقالات سرسید" حصہ نہم ص ۲۰۷

9:- "مقالات سرسید" حصہ نہم' ص ۱۴۲

10:- "مقالات سرسید" بحوالہ امتیاز حق از راجا غلام محمد ص ۶۵

11:- سوانح احمدی از مولانا جعفر تھانیسری' مطبوعہ فاروقی دہلی ص ۷۳

12:- موج کوثر از شیخ محمد اکرام صاحب' ص ۲۰

13:- دیکھئے' ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۲۷۔ سید احمد شہید ص ۲۲۔ نقش حیات ص ۴۱۸۔ مقالہ بعنوان "جزائر انڈیمان و نکوبار میں مسلمانوں کی علمی خدمات" سہ ماہی اردو کراچی ص ۷۸

14:- حیات طیبہ از مرزا حیرت دہلوی ص ۲۹۶

15:- مقالات سرسید، حصہ نہم ص ۱۴۸۔

16:- افادات و ملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی از محمد سرور ص ۳۶۲

17:- سوانح احمدی از جعفر تھانیسری ص ۴۹۔

18:- سیرت سید احمد شہید، حصہ اول ص ۲۱۹، ۲۲۰

19:- سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر ص ۲۵۰

20:- چند تاریخی غلطیاں از ابوالمعالی، کتاب "شاہ اسماعیل شہید" ص ۲۲۲ بحوالہ امتیاز حق۔

21:- اسلامی حریت کا علمبردار، از محمد میاں، کتاب شاہ اسماعیل شہید ص ۱۹۴۔

22:- مکتوبات سید احمد شہید ص ۳۱۰ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔

23:- مکتوبات سید احمد شہید مترجم سخاوت مرزا، ص ۳۲، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔

24:- سیرت سید احمد شہید حصہ اول، ص ۲۴۲

25:- مضمون، سرسید احمد خان، بجواب ڈاکٹر ہنٹر مندرجہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، ۸۔ دسمبر ۱۸۷۱ء۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۱۲

26:- سوانح احمدی از جعفر تھانیسری ص ۱۳۹۔

27:- الدر المنثور از مولوی عبدالرحیم صادق پوری ص ۱۳۵۔

28:- سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر ص ۱۲۶۔

29:- حیات طیبہ از مرزا حیرت دہلوی ص ۴۲۱

30:- الحیات بعد الممات از مولانا فضل حسین بہاری ص ۲۰۳۔

31:- مولانا منظور نعمانی صاحب، الفرقان لکھنؤ شہید نمبر ۱۳۵۵ھ ص ۶۷

32:- سوانح احمدی از مولانا محمد جعفر تھانیسری ص ۱۳۹۔

33:- نقش حیات از مولانا حسین احمد مدنی، شیخ دیوبند جلد دوم ص ۱۲۔

34:- سوانح احمدی از محمد جعفر تھانیسری ص ۲۶۱۔

35:- ماہنامہ "ماہ نو" کراچی، ۷ اکتوبر ۱۹۶۴ء ص ۵۶

36:- حقائق تحریک بالا کوٹ از شاہ حسین گردیزی ص ۷۲ '۷۳۔ مقالات سرسید حصہ نہم ص ۱۴۸

37:- سوانح احمدی از مولانا محمد جعفر تھانیسری ص ۱۶۸

38:- حیات طیبہ ' مرزا حیرت دہلوی ص ۴۳۱

39:- دیکھئے ' حیات طیبہ ص ۴۲ ' ۴۲۲ ' ۴۳۵ ' ۴۰۲ ' ۴۲۹ اور تواریخ عجیب ص ۶۴ از مولانا محمد جعفر تھانیسری۔

40:- تاریخ اعیان وہابیہ از محمد محبوب علی خان لکھنوی ص ۴۳ ' ۴۴

41:- تاریخ تناولیاں از سید مراد علی ص ۴۸

42:- سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر ص ۵۴۱

43:- دیکھئے ' تاریخ تناولیاں ص ۵۱ ' ۵۲ ' ۵۳ وغیرہ

44:- سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر ص ۷۵۰ ' ۷۵۲

45:- غلام رسول مہر ' مولانا۔ سید احمد شہید ص ۳۶۵

46:- سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر ص ۴۶۳

47:- سید احمد شہید ' مولانا غلام رسول مہر ص ۴۵۰

48:- تاریخ تناولیاں ' سید مراد علی ' علیگڑھی ' ص ۴۹

49:- حیات طیبہ ' مرزا حیرت دہلوی ص ۲۸۱

50:- موج کوثر ' شیخ محمد اکرام ص ۳۱

51:- موج کوثر ' شیخ محمد اکرام ص ۳۲

52:- سید احمد شہید ' مولانا غلام رسول مہر ص ۶۱۴

53:- مکتوبات سید احمد شہید مرتبہ مولانا محمد جعفر تھانیسری ص ۱۳۵

54:- مکتوبات سید احمد شہید از مولانا محمد جعفر تھانیسری ص ۲۴۱

55:- محمد جعفر تھانیسری مولانا ' مکتوبات سید احمد شہید ص ۴۷

56:- مکتوبات سید احمد شہید مرتبہ مولانا محمد جعفر تھانیسری ص ۵۶ ' ۵۷

57:- سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر ص ۷۰۲

58:- حیات طیبہ' مرزا حیرت دہلوی ص ۳۵۶

59 :- مشاہدات کابل و یاغستان از مولوی محمد علی قصوری (اہلحدیث) دیکھئے' ص ۱۰۸'۱۰۹'۱۱۰'۱۱۱

60:- سید احمد شہید' غلام رسول مہر' مولانا ص ۶۶۰

61:- حیات طیبہ 'از مرزا حیرت دہلوی ص ۲۸۰

62:- دیکھئے' حیات طیبہ از مرزا حیرت دہلوی' ص ۲۸۰'۲۸۱

63:- موج کوثر۔ محمد اکرام شیخ' ص ۳۱

64:- ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء از مفتی انتظام اللہ شہابی ص ۱۰



حرف آہنگ

مغلیہ حکومت کے کمزور ہوتے ہی ملک کا شیرازہ بکھرا اور ہندوستان جنگ کی آماجگاہ بن گیا۔ "کارل مارکس" نے اس عہد کا چند لفظوں میں یوں نقشہ کھینچا ہے:-

"ہندوستان میں انگریزی تسلط کیونکر قائم ہوا؟۔ مغلوں کے اقتدار اعلیٰ کو مغلوں کے صوبہ داروں نے اور صوبہ داروں کی قوت کو مرہٹوں نے مرہٹوں کی قوت کو افغانوں نے توڑا اور جبکہ یہ سب ایک دوسرے سے دست بگریبان تھے انگریز کود پڑا اور سب کو مطیع بنانے کے قابل ہو گیا۔"

جنگ پلاسی کمپنی کو سازگار ہوئی تو کمپنی نے اپنی انوکھی تدبیروں سے ہندوستان پر پورا تسلط کر لیا اور ملک کے معاشرہ میں ہی دخیل ہونے لگی۔ عمال ایسٹ انڈیا کمپنی نے بے حساب دولت لوٹنی شروع کر دی۔ لارڈ میکالے نے ایک جگہ لکھا ہے:-

"کمپنی اور اس کے ملازمین پر اب دولت کی بارش بافراط ہونے لگی۔ اسی لاکھ پونڈ کی رقم جو نقرئی سکہ کی صورت میں تھی دریا کے ذریعہ مرشد آباد سے فورٹ ولیم روانہ ہو گئی۔ (اس رقم سے) ہر انگریز کے گھر میں تمول اور ثروت کے آثار نمایاں ہو گئے۔"

کلائیو یاقوت اور ہیروں کا تاج پہنے ہوئے سونے اور چاندی کے ڈھیروں میں لوٹتا تھا اور وہ جس قدر دولت اپنے لئے لینا چاہتا تھا اس کے لئے آزاد اور خود مختار تھا۔(1)

عہدہ داران کمپنی کے اور اوصاف حمیدہ دیکھنے کے قابل ہیں۔ ایڈم وک ایک

جگہ لکھتا ہے :-

"(کمپنی کے) عہدہ دار قطعاً غیر ذمہ دار' ظالم اور جفاکار تھے انہوں نے خانگی (ہندوستانیوں کی) پونجی کا بالکلیہ (تھوڑے ہی دنوں میں) خاتمہ کر دیا تھا۔ ان کا مقصد کلی یہ تھا کہ بنگال کے باشندوں سے جس قدر جلد ممکن ہو چند لاکھ اشرفیاں وصول کر کے دولت کا مظاہرہ کرنے کے لئے فوراً اپنے وطن واپس ہو جائیں۔"

نتیجہ یہ ہوا کچھ ہی زمانہ میں کمپنی کی بدولت انگلستان میں خزانوں کا دریا بہنے لگا۔ لوگ سرمایہ دار بن گئے۔ اس ہی پر بس نہیں کیا بلکہ کمپنی' انگلستان کی صنعتی ترقی کی خاطر ہندوستانی صنعت کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہو گئی۔

عمال کمپنی نے ڈھاکہ کی صنعت پارچہ بافی کو تباہ اور غارت کر کے کاریگروں پر وہ وہ ظلم و ستم ڈھائے کہ لوگ اپنا وطن ترک کر کے فرار ہونے اور جلاوطن ہونے پر مجبور ہو گئے۔ "لڈلوس" اس واقعہ کو ان لفظوں میں بیان کرتا ہے کہ :-

"ہم نے ہندوستان کی روئی کی صنعت کو تقریباً برباد کر دیا ہے۔ ڈھاکہ بڑی حد تک غیر آباد اور ویران ہو گیا ہے۔" (2)

ان ہی وجوہ سے ڈھاکہ کی آبادی تین لاکھ سے گھٹ کر صرف ستر ہزار رہ گئی۔ ایسے ہی واقعات جہاں جہاں انگریز نے چاہا ہندوستان میں روا رکھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانیوں کی برس ہا برس کی محنت کی پونجی چھن گئی۔ ۱۷۷۰ء میں خشک سالی سے قحط نمودار ہوا اور لوگوں کے ذرائع نے جواب دے دیا تو وہ لاکھوں کے تعداد میں ہلاک ہو گئے۔ مگر انگریز نے اپنے یہاں غلہ بھرنا شروع کر دیا اور غرباء کی معاونت یا دستگیری نہیں کی۔ میکالے کہتا ہے :-

"فاتح انگریزوں کے محلوں اور باغوں کے نزدیک دریائے ہگلی میں ہزار ہا نعشیں بہتی رہتی تھیں۔ پٹنہ اور کلکتہ کے گلی کوچے مردہ نعشوں اور مرنے والوں سے بھرے ہوئے تھے اور انکی نعشوں کو گیدڑ' گدھ دن دہاڑے نوچتے کھسوٹتے رہتے تھے۔"

انگریزی برکات نے کچھ عرصہ بعد ایک اور ملک پر قحط ڈالا جو امساک باران کی وجہ سے نہیں پڑا بلکہ کمپنی کا روز افزوں اقتدار اس کا سبب تھا۔ لوٹ کھسوٹ سے گاؤں کے گاؤں خالی ہو گئے اور باشندے بھاگ نکلے۔ کرنیل بیرڈ کے بیان کے مطابق "بنگال کی ایک تہائی سے زیادہ اراضیات بیس سال تک افتادہ پڑی رہیں۔"

ان بدنظمیوں نے ہندوستانیوں کو اس قدر عاجز کر دیا تھا کہ کمپنی سے دن بدن ان کی نفرت بڑھنے لگی تھی اور اس قدر عمال کمپنی سے خوفزدہ ہو گئے تھے کہ جب کبھی انگریز مسافر پالکی میں کسی گاؤں سے گذرتا تو اسکی آمد کی خبر پا کر لوگ گاؤں چھوڑ جاتے تھے۔ کمپنی زعم باطل میں اہل ملک کو کمزور کر رہی تھی تاکہ یہ خود سری نہ کر سکیں۔ جب کمپنی کو باور ہو گیا کہ ہندوستانی غلام ہو چکا ہے۔ اب اس نے اور آگے قدم بڑھایا۔ ہندو' مسلمانوں کے مذہب سے کھیلنے لگا۔ مذہبی زبانوں کے مٹانے کی تدبیریں کیں اور اپنے مذہب کی ترویج پر کمر باندھی۔ زمینداریاں اور جو ریاستیں صاحب اقتدار تھیں' انگریز یکے بعد دیگرے قبضہ میں لانے کے درپے ہوا۔ ملک میں فساد کرانے کی صورت پیدا کی گئی۔ ۱۸۰۶ء میں ویلور میں ایک زبردست ہنگامہ ہو گیا (3)۔ ۱۸۳۱ء میں تتو میاں انگریز طاقت سے بھڑ بیٹھا۔ ۲۴ پرگنہ ندیا اور فرید پور کے ضلع سے کچھ دن کے لئے کمپنی کا اقتدار ہی اٹھ گیا تھا۔ تتو میاں کے ساتھ ہندو مسلمان ہر دو تھے مگر کمپنی نے تازہ دم فوج مقابلہ کے لئے بھیج دی۔ نارکل بیڑیا پر تتو میاں مقابل آیا اور شہید ہو گیا۔ سپہ سالار فوج اور ایک سو چالیس مجاہد پکڑے گئے رسالدار کو پھانسی لگی اور ایک سو چالیس نفوس کو بمبئی جیل میں بعد مقدمہ بند کر دیا۔ اب علماء نے کروٹ لی۔ مولوی شریعت اللہ اور مولوی کرامت علی جونپوری نے ہندو مسلم اسی ہزار نفوس کی جماعت فرازی کے نام سے بنائی۔ اس جماعت نے دودو میاں کے زیر سرکردگی انگریزی سے مقابلہ کیا مگر معاملہ آگے نہ بڑھ سکا' دب گیا۔

ان ہنگاموں کے واقعات سے کمپنی نے کوئی اثر نہ لیا بلکہ ہندوستان پر دوامی اقتدار قائم کرنے کے لئے جو اسکیم پیش کی تھی وہ بروئے کار لائی جا رہی تھی۔

اٹھارہویں صدی کے اواخر میں ہندوستان میں تعلیم کی ترقی تھی۔ یہاں تعلیم کا وہی تناسب تھا جو اس وقت یورپ کا تھا۔(بنگال کے گاؤں کا تعلیمی معیار اس کا ٹیلنڈ گاؤں کے معیار سے بہتر تھا)۔

صرف دہلی شہر میں ۱۲۲۵ میں ایک ہزار کالج اور دو ہزار اسی مساجد جن میں عام درسگاہیں تھیں۔ وائٹ ہیڈ مدراس کا پادری ایک جگہ کہتا ہے۔

"کمپنی نے پادریوں کے مشن جو ہندوستان بھیجے تھے عیسوی تبلیغ کے ساتھ یہاں کی تعلیم بھی انکے سپرد کی گئی جنہوں نے ہر جگہ اپنے تعلیمی ادارے کھول دیئے۔ اس کا اثر یہ ہوا مکاتب اور پاٹ شالاؤں پر اوس پڑ گئی۔ پانچ برس میں چالیس فیصدی ناخواندہ نظر آنے لگے۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ لارڈ میکالے نے ہندوستانی ادب کا تختہ الٹ دیا۔ انگریزی تعلیم کی سکیم نافذ کرکے مادری زبان کی تعلیم کو فنا کر دیا۔

مسٹر وائٹ ہڈ کا بیان ہے:۔

"قومی تعلیم (یعنی انگریزی تعلیم) جاری کر کے ہندوستانیوں کی انفرادیت اور آزاد خیالی کو نابود کرنے کی کوشش کی۔"

جس قدر انگریزی ترقی کر رہی تھی اسی قدر تعلیمی تناسب گھٹ رہا تھا۔ ۹۴ فیصدی لوگ اب ناخواندہ ہو چکے تھے۔ اس لپیٹ میں مسلمان زیادہ آئے۔

مشن کالجوں اور سکولوں میں عیسوی تعلیم دی جاتی تھی۔ ہندو' مسلمانوں کی مذہبی تعلیم وہاں بند تھی۔ ہندوستانی اس طرف لپک رہا تھا کچھ مخالفت بھی ہوئی ان کو مذہبی دیوانہ کہہ کر نظر انداز کیا گیا۔ اہل ملک کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر مذہبی مراسم پر نظر ڈالی۔ رسم ستی بند کی گئی۔ عقد بیوگان جاری کیا۔ ذات پات ختم کی گئی۔ حتیٰ کہ کورسوں میں مہاراج کرشن چندرجی کا ذکر خیر ہوتا تھا۔ اس کی بندش کی جانے والی تھی مسلمانوں پر یہ کرم ہوا کہ دہلی میں محکمہ قضاۃ تھا اس کو توڑ کر صدر نظامت قائم کر دیا۔ قاضی کے بجائے انگریز جج فیصلہ مذہبی کرتا۔ ۱۸۳۷ء میں قحط پڑا۔ جو غربا

کے بچے مشن کو ہاتھ لگے وہ عیسائی کر لئے گئے۔ اس واقعہ کا اثر ہندو مسلمان ہر دو نے لیا۔ عیسائی مشن دن بدن کامیاب ہوتا جا رہا تھا۔ عوام میں کھلبلی مچ گئی۔ ان کے پیشواؤں کو متوجہ ہونا پڑا۔ پنڈتوں نے اپنے گھر کو سنبھالنے کی کوشش کی' مسلمانوں میں علماء اور فقراء نے ہاتھ پیر چلائے۔ درس و تدریس بھول گئے اور نصاریٰ سے مقابلہ کے لئے سر بکف اٹھ کھڑے ہوئے۔ فقراء جو خانقاہوں میں گوشہ گیر تھے وہ غلبہ نصرانیت کی مخالفت میں لگ گئے۔

گوالیار میں محراب شاہ قلندر ایک بزرگ تھے جو سردار ستولے کے یہاں پیادہ کی خدمت انجام دیتے مگر اہل شہر ان کے گرویدہ تھے۔ دور دور شہرت تھی' مدراس کا نواب زادہ فقیری لباس میں ان کے پاس آیا اس سے بیعت ان شرائط کے ساتھ لی کہ وہ اپنی جان کی بازی انگریز کے اقتدار کے ختم کرنے میں لگا دے۔(4)

چنانچہ نواب زادہ امارت کو چھوڑ کر اسی مقصد کے پیش نظر دربدر پھر رہا تھا۔ یہی وہ فرد ہے جس کو تاریخ غدر میں مولوی احمد اللہ شاہ دلاور جنگ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

کئے اور ہنیس کی ہندوستانی غدر کی تاریخ جلد ۴ صفحہ ۳۸۱ میں ہے:-

"مولوی احمد اللہ نے ناجائز قتل و غارت سے کبھی اپنی تلوار کو دھبہ نہیں لگنے دیا۔ وہ ہمیشہ مردانہ وار جرات اور اولوالعزمی اور دیانت داری سے اپنے ملک کو اغیار کے پنجے سے چھڑانے کے لئے (انگریزوں سے) لڑتا رہا۔"

جونپور میں مولوی سرفراز علی شاگرد مولوی کرامت علی شغل معلم گیری اس کے ساتھ پیری مریدی بھی جاری' جو مرید ہوتا اس کو نصرانیت کے خلاف تلقین کرتے اور جہاد پر آمادہ کرتے۔ سلطانپور کا ایک افغانی صوبہ دار نام سن کر بیعت کرنے آیا۔ بخت خان اس کا نام تھا' انگریزی توپ خانہ کا افسر تھا۔ مرید کیا اور اس کو انگریز سے مقابلہ کے لئے تیار کر دیا جو آگے جا کر دلی کی تاریخ میں جنرل بخت خاں کے نام

سے مشہور ہوا۔ علاقہ سرحد میں مولانا سید احمد بریلوی اور مولانا اسماعیل شہیدؒ نے انگریزوں کے خلاف وہ آگ بھڑکا دی تھی جو بجھنے میں نہ آئی۔

۱۸۵۴ء میں پادری فنڈر انگلستان سے ہندوستان آیا اور داعیان مذاہب کو دشنام دہی کا محل بنا لیا۔ علماء بگڑ بیٹھے مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خان سے اس سے آگرہ میں مناظرہ ہوا۔ شکست کھا کر سیاہی شب میں ایسا چھپا کہ پھر ہندوستان میں نظر ہی نہ آیا۔ علماء نے نصرانیت کے خلاف رسالہ بازی شروع کر دی۔ علماء کی طرح ہندوستان کے پنڈتوں نے دھرم شاستر کے احکام نکال لئے تھے اودپتروں سے سیہ مورت نکال کر وطن پرستوں کو گرماتے اور فرماتے تھے کہ انگریزوں سے لڑو فتح تمہاری ہو گی۔ (تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۶۷۶)

حسن اتفاق نانا راوَ پیشوا کی آٹھ لاکھ کی پنشن ڈلہوزی نے ضبط کر لی اور باجی راوَ کا متبنیٰ ان کو نہیں گردانا۔ انہوں نے اپنے سربراکار عظیم اللہ خاں کو ولایت بھیجا مگر ڈائریکٹران نے کوئی توجہ نہ کی۔ پانچ لاکھ روپیہ صرف کر کے لوٹ آیا۔ ہر دو انگریزی سلطنت کے الٹنے کے درپے ہو گئے۔ کہا جاتا ہے غدر کی سکیم کے بانی دلاور جنگ اور نانا راوَ اور عظیم اللہ ہی تھے۔ نانا صاحب کا ساتھی تانتیا ٹوپی فوجی جنرل تھا' اس نے جوگی بن کر سرکاری فوجوں میں بغاوت کی لہر پیدا کر دی۔

مسٹر چارس بال اپنی تصنیف میں ان کے متعلق لکھتا ہے:-

"انگریز سے ذرا کم مضبوط دشمن سے اگر تانتیا ٹوپی کو واسطہ پڑتا تو وہ ایک وسیع مرہٹہ سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا اور پھر سے پیشوا بن جاتا ہے۔"(5)

احمد نگر کے علاقہ کا رہنے والا تھا کچھ عرصہ نانا فرنویس کی فوج میں عہدہ دار رہ چکا تھا۔ مگر اس بہادر کو راجہ مان سنگھ اپنی جائیداد کو بچانے کی خاطر انگریزوں کے ہاتھ سوتے میں پکڑوا دیتا ہے۔ مقدمہ چلتا ہے آخر ۴۹ برس کی عمر میں دار پر چڑھا دیا جاتا ہے۔ ان جملہ حضرات نے ۱۸۵۷ء میں

ہندوستان کو تودۂ بارود بنا دیا تھا صرف شتابہ لگانے کی دیر تھی کہ برطانوی جنرل جو میرٹھ میں کمانڈر فوج کا تھا خود دیا سلائی دکھا بیٹھا۔ قضیہ کارتوس چھیڑ کر فوج کو برگشتہ کر دیا۔ یہ فوج ۱۰ مئی کو دلی آئی بہادر شاہ کو خواب غفلت سے چونکایا مگر ضعیفی نے اور انگریز کے شکنجے نے پژمردہ بنا رکھا تھا مگر خاندانی شجاعت نے نئے سرے سے حرارت پیدا کر دی اور وہ سرپرستی کے لئے تیار ہو گیا مگر شہزادے کمزور نکلے۔ مرزا مغل مرزا خضر سلطان، مرزا قویش، مرزا جوان بخت میں تو کچھ سرگرمی عمل تھی۔ بقیہ کا طریقہ شکایت کا موقعہ دے رہا تھا۔ جنرل بخت خاں نے آتے ہی فوج کو ہاتھ میں لے لیا۔ بادشاہ نے لارڈ گورنر کا خطاب دیا مگر ارکان سلطنت حکیم احسن اللہ خاں، مرزا الٰہی بخش و دیگر شہزادوں کی سازشیں انگریزوں کو کامیاب کرنے میں معاون ہوئیں۔ تسلط پر بادشاہ رنگون بھیج دیئے گئے۔ ہڈسن کے ہاتھوں شہزادے مرزا مغل مرزا خضر سلطان گولی کا نشانہ بنے۔

جنگ آزادی نے ہندوستان میں وسیع محاذ اختیار کر لیا تھا۔ لکھنؤ پر سے مولوی احمد اللہ شاہ اور برجیس قدر کی وجہ سے کنٹرول اٹھ گیا تھا۔ کانپور پر نانا راؤ کا قبضہ تھا۔ رانی لکشمی جھانسی پر براج رہی تھی۔ بریلی نواب خان بہادر خاں کے قبضہ میں تھی۔ الہ آباد پر مولوی کفایت علی چھائے ہوئے تھے۔ بہت سے نواب اور چھوٹے چھوٹے راجے ان کے ہمنوا تھے۔ دلی پر انگریزوں کا قبضہ ہونے کے بعد ہر جگہ غداروں نے مل کر خان ملک اور حریت نوازوں کو ناکامیاب بنایا۔ آخری اجتماع مولوی احمد اللہ شاہ کے جھنڈے تلے ہوا۔ "محمدی" میں حکومت قائم ہوئی، سکہ چلا مگر راجہ اجائین کے ہاتھوں دھوکہ سے احمد اللہ گولی کا نشانہ بنے۔(6) پھر تو تمام انقلابی رہنما منتشر ہو گئے جو حکومت کے ہاتھ پڑے وہ دار پر چڑھا دیئے گئے یا حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا کے سزاوار قرار دیئے

گئے۔ نوابوں' راجاؤں کے جائیدادیں ضبط ہوئیں۔ دلی میں لکھنؤ میں کانپور میں انگریزی افسروں نے وہ وہ ظلم کئے جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ بنارس الہ آباد میں نہایت بے رحمی اور سختی کا استعمال جنرل نیل اور کرنل ریگنارڈ نے کیا۔

لندن ٹائمز کے نامہ نگار رسل نے اس ظلم و جور کی بہت سی مثالیں دی ہیں۔ لیفٹیننٹ مجنڈی نے لکھا ہے:-

"ایک زخمی سپاہی کے چہرے کو سنگین مار مار کر چھیدا گیا اور پھر اسے معمولی آگ میں رکھ کر بھونا گیا۔ جلتے ہوئے انسانی گوشت کی خوفناک بو سے دماغ پھٹا جاتا تھا۔ سخت قسم کا دھواں اٹھ رہا تھا اور یہ سب کچھ انیسویں صدی میں ہوا جب انگریز اپنے مہذب ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا۔"

سر ہنری کاٹن لکھتا ہے:-

"مجھے موبرے تھامس نے نہایت ہی روح فرسا واقعات سنائے اور بتایا کہ قیدیوں پر کیا کیا ظلم ڈھائے جاتے تھے۔ سنتریوں کے کمرے میں اس نے جو کچھ دیکھا اس کے الفاظ پڑھئے۔ چند بد قسمت مسلمانوں کو رسیوں سے باندھ کر زمین پر لٹایا گیا۔ ان کے کپڑے پھاڑ ڈالے گئے اور سر سے پیروں تک ہر حصے پر دہکتے ہوئے تانبے سے نشان لگائے گئے اور پھر ان کے سروں میں گولیاں مار مار کر انہیں ہلاک کیا گیا۔ (انڈین ہوم میمورین) ایسے بہت سے واقعات گذرے۔"

یہ ظالمانہ واقعات ان کے ساتھ کئے گئے جنہوں نے ملک کو آزاد کرانے اور اپنی اولاد کو بدیشی حکومت کی غلامی سے نجات دلانے کی پہلی کوشش کی تھی۔ مگر افسوس کا مقام ہے جنگ آزادی کے شرکاء کا کوئی اب تک تفصیلی تذکرہ نہیں لکھا گیا۔ غدر کی تاریخیں انگریزی میں بہت سی لکھی گئیں مگر ان میں اپنی مظلومیت اور

ہندوستانیوں کی خونخواریت کے نقشہ دکھائے گئے ہندوستانی مورخوں نے ان سے بھی زیادہ خیر خواہی کا اظہار کیا۔ مفروضہ مظالم کی داستانیں اور بڑھا چڑھا کر لکھیں۔ انگریزوں کو معصوم اور ہندوستانیوں کو ظالم اور محبان وطن‘ غدار ومفسد کے نام سے پکارے گئے۔ ان پر جو مظالم ہوئے وہ حق بجانب ٹھہرائے گئے۔ مولوی ذکاء اللہ دہلوی اور پنڈت کنہیا لال کی تاریخ بغاوت ہند بین ثبوت ہے۔ اس سے بڑھ کر ان حضرات کی کوتاہ نظر کیا ہوگی کہ حریت نوازوں کے حالات تو بڑی چیز ہے ان کے نام تک کا ذکر کرنا گناہ سمجھا۔ اگر کسی کا نام بہ مجبوری کسی واقعہ میں آیا تو بری طرح سے لکھا جیسا کہ ڈاکو اور چور کا نام لیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا تاریخی حقائق کے بعد ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ۵۷ء کی انقلابی تحریک کو زیادہ کامیاب بنانے اور ملک پر اپنے کو قربان کرنے والے علماء ہی تھے۔ ان علماء میں جو صاحب درس و تصانیف تھے ان کا ذکر البتہ علمائے ہند کے تذکروں میں معمولی طور سے آیا ہے مگر تذکرہ نویس ان کے سیاسی کارناموں سے ناواقف تھا یا خود پردہ ڈالا گیا۔

آج ایک ایسے تذکرہ کے لکھنے کی سخت ضرورت تھی جس میں علماء کی مجاہدانہ سرگرمیاں اور ان کی سیاسی کارگزاری ہو اور ان کے ہمنوا جو راجہ‘ نواب و امراء تھے ان کی سیاسی مساعی کا بھی ذکر ہو۔ خدا کا شکر ہے میرے خاندانی کتب خانہ سے اس کی ترتیب میں بڑی مدد ملی۔

”ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء“ کے نام سے اس کتاب خونچکاں کو ملک و ملت کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

انتظام اللہ شہابی



حضرت مولانا سید احمد شاہ رحمتہ اللہ علیہ

مولانا سید احمد علی عرف ضیاء الدین خطاب دلاور جنگ معروف و مشہور مولوی سید احمد اللہ شاہ مدراسی(7) جلال الدین عادل کے پوتے اور ابوالحسن تانا شاہ والیٔ گولکنڈہ کے پڑپوتے تھے۔ جلال الدین اپنے زمانے کے قطب الوقت تھے۔ اس خاندان میں امارت کے ساتھ فقر بھی تھا۔ مولانا کے والد محمد علی مصاحب ٹیپو سلطان اور نواب چیناپٹن (مدراس) کے تھے۔ تقریباً ۱۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ امیرانہ طور و طریق پر تعلیم و تربیت ہوئی۔ شہ سواری فنون سپہ گری علوم رسمیہ کے ساتھ ساتھ سکھائے گئے۔

جو مکتب سے ان کو فراغت ملی   بڑھا سوئے شمشیر شوق دلی

کم عمری میں فراغت علمی کی مگر ہوش سنبھالتے ہی اردگرد ٹیپو سلطان کی تباہی کی داستانیں زبان زد عام تھیں جن کے ہاتھوں خداداد حکومت کی بربادی ہوئی تھی ان سے بچہ بچہ خائف تھا۔ وابستگان دولت خداداد کا ہر ایک فرد خانماں برباد تھا۔ ۱۱۹۹ھ میں سلطان شہید ہوئے تھے۔ ۱۲۴۰ھ تک علاقہ مدراس کے مسلمان تباہی کے کنارے لگ گئے تھے۔ جائیدادیں ان کی ضبط ہوئیں جو لوگ فوج میں تھے وہ دربدر بال بچوں کو لئے ہوئے بھیک مانگ رہے تھے۔ کوئی پرسان حال نہ تھا۔ یہ حالات مولانا سید احمد علی کے سامنے تھے ان کی عمر سولہ یا سترہ سال کی ہونے آئی کہ طبیعت امارت سے بیزار سی ہوگئی اور آپ نے نوابی سے کنارہ کشی اختیار کی۔

بڑھا جب قدم سولھویں سال سے چھٹا سلسلہ ملک سے مال سے
گدا ہو گئے سیم و زر چھٹ گیا ملا دشت غربت جو گھر چھٹ گیا (8)

مولانا نے سیاحت پر کمر باندھی۔ اولاً حیدر آباد گئے۔

کہ گھر سے سفر کرکے وہ نامور ہوئے حیدر آباد میں جلوہ گر

یہاں نظام کے قلمرو مرہٹوں کا حملہ تھا آپ نے نظامی فوج کی حمایت میں مرہٹوں سے دو دو ہاتھ کئے ایسی داد شجاعت دی کہ مقتولین کی لاشوں کے پشتے لگ گئے۔ آخرش مرہٹوں نے شکست پائی۔

یہ اخبار ایک داستاں ہو گئی سخن تکیہء ہر زباں ہو گئی
ہوا شہرہ ویران و آباد میں گئی یہ خبر حیدر آباد میں
مقرر وہاں ان کی نسبت ہوئی بہم تازہ کہنہ قرابت ہوئی
نہ لایا مگر نخل امید بار نہ باغ تمنا میں آئی بہار

غرضیکہ بیوی نے شاہ صاحب کو داغ مفارقت دیا۔ آپ نے صبرو شکر کیا اور ان کے انتقال کے بعد آپ اپنے وطن لوٹ آئے۔

سفر:۔ غرضیکہ مدراس سے رخصت ہو کر یورپ کا سفر اختیار کیا جیسا کہ اوپر بیان ہوا' انگلستان میں شاہی مہمان رہے۔ وہاں سے مصر آئے' عرب گئے' حج سے مشرف ہوئے۔ ایران ہو کر چمن ہوتے ہوئے ہندوستان آئے۔ مسلمانوں کی عام حالت زبوں دیکھی۔ ہر جگہ بٹے ہوئے مہرے نظر آئے۔ امراء سے ملے' ایک دوسرے کی جڑ کھود رہا تھا۔ عیش و عشرت میں مبتلا تھے۔ نصاریٰ کا غلبہ دن بدن بڑھ رہا تھا۔ اپنے ہی لوگ ان کو سراہ رہتے تھے۔ یہ رنگ دیکھ کر دنیا سے بیزار سے ہو گئے۔ طبیعت خلوت نشینی کی طرف راغب ہوئی۔ آپ نے علاقہء بیکانیر کو پسند کیا اور سانبھو چلے گئے۔

چلہ کشی:۔ آپ نے چلہ کشی اختیار کی' ترک حیوانات کیا۔ بارہ برس گزار کر جے پور چلے گئے۔ میر قربان علی سے ملنا ہوا' وہ شیخ طریقت تھے۔ ان کی صحبت سے فیوضات و برکات حاصل کئے۔ نام سید احمد علی کی بجائے سید احمد اللہ شاہ تجویز ہوا۔

میر صاحب کے فرمانے سے ٹونک گئے' نواب وزیر الدولہ نے بڑی آؤ بھگت کی مگر جو مقصد پیش نظر تھا وہ وہاں پورا نہیں ہوا۔ وعظ و تذکیر کی مجلسیں جمیں اور دوسری طرف بعد نماز عصر محفل سماع ہوتی اس کا واقعہ مولانا فتح محمد تائب لکھنوی نے سوانح احمدی میں یوں لکھا ہے:-

ہوئے ٹونک میں جس گھڑی جلوہ گر — لگے کرنے بعض اعتراض آپ پر
کہ ہے ساز' سازو مزا میر سے — نہیں ڈرتے افعال تقصیر سے
دیئے آپ نے عارفانہ جواب — دلائل سے ان پر ہوئے فتحیاب
حسد تھا فروغ خداداد پر — کہا محبت سے کرکے قطع نظر
کہ بے امتحاں ہم تو قائل نہیں — کہا آپ نے کچھ یہ مشکل نہیں

ٹونک میں حضرت محراب شاہ قلندر کا شہرہ سنا' دل بے کیف ہو گیا۔ چل کھڑے ہوئے' گوالیار پہنچے۔

وہاں تھے بزرگ ایک محراب شاہ — ہر ایک جن کا نقش قدم سجدہ گاہ

قلندر صاحب گوالیار کے ایک رئیس سردار ستولے کے یہاں پیادوں میں ملازم تھے' ان سے جاکر ملے انہوں نے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا کہ میاں میں تو تمہارا عرصے سے منتظر ہوں اور جو امانت بزرگوں سے لئے ہوئے بیٹھا ہوں معلوم ہوا اس کی سپردگی کا وقت آگیا' بیعت تو کرتے ہو مگر جان کی بازی لگانی ہو گی' سودا بڑا کٹھن ہے۔ آپ نے کہا! حضرت جو مرشد کا حکم ہو گا اس کی بسرو چشم تعمیل ہو گی۔ قلندر صاحب نے گلے سے لگایا اور خلعت خلافت عطا فرمایا اور درود و وظائف کے ساتھ تلقین جہاد ضروری قرار دی' فرمایا:-

ہمیشہ ترا رتبہ عالی رہے — سر خصم کو پائمالی رہے
مکدر رہے تجھ سے جو کد کرے — وہ خود کور ہو جو نظر بد کرے
کیا صاحب تیغ و تاج و نگیں — ہوا نقش امید کرسی نشیں
لیا ان سے پھر امتحان جہاد — کہ کھینچے نصاریٰ پہ تیغ عناد

دلی :- مرشد کی ہدایت پر دلی آئے۔ ابو ظفر بہادر شاہ' مغلیہ تخت حکومت پر جلوہ افروز تھے۔ اکبر شاہ نے تمام عمر ایسٹ انڈیا کمپنی کے رحم خسروی پر بتا دی تھی۔ یہ بھی اضافہء خوان کرم پر آس لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ قلعہ معلیٰ کی چار دیواری میں حکمرانی تھی۔ غرض کہ نام نہاد کی بادشاہی تھی مگر مسلم قوم اس پر بھی مگن تھی۔ ہر ایک ادنیٰ ہو یا اعلیٰ اپنی اپنی دلچسپیوں میں لگا ہوا تھا۔ شہزادے رنگ رلیوں میں مست تھے۔ بدکاری بڑھی ہوئی تھی۔ زمانہ کہاں سے کہاں لے جا رہا تھا۔ اس طرف آنکھ اٹھا کے بھی کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔ علماء و صوفیاء کو اپنے نام و نمود و تن آسانی اور شکم پروری سے فرصت نہ تھی۔ علماء سرکار کمپنی کے عہدوں پر ممتاز تھے۔ کوئی قاضی بنا کوئی مفتی کوئی صدر الصدور مدرسہ و خانقاہ میں آباد۔ علوم عربیہ میں عقلیات کی گرم بازاری مگر حق بات کہتے ہوئے ڈرتے۔ محکمہء قضاہ(9) جس کے عہدے پر مفتی مولوی انعام اللہ خاں بہادر گوپاموی فائز تھے وہ اکبر شاہ ثانی کے عہد میں ہی توڑا جا چکا تھا۔ مفتی صاحب کو سرکاری وکیل بنا کر ترلقمہ دے دیا گیا تھا اس محکمہء قضاۃ کی بجائے صدر نظامت الہ اباد میں قائم ہوا اس سے ہی منسلک مفتی صاحب کئے گئے۔ غرض کہ بڑے بڑے عالم و مفتی دلی میں تھے کسی نے احتجاج تک نہ کیا اور نہ کسی قسم کی آواز بلند کی۔ بلکہ اس مداخلت فی الدین کو بلا اکراہ دیکھا کئے۔ جو حکومت کمپنی نے عہدے علماء کو دے رکھے تھے اس پر شکر و امتنان کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔ مولوی احمد اللہ شاہ نے دلی کا یہ رنگ دیکھا' دنگ رہ گئے۔ باوجودیکہ علماء کے سوائے بڑے بڑے شیوخ طریقت رشد و ہدایت کی محفل جمائے بیٹھے تھے۔ حضرت غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب(10)۔ خواجہ محمد نصیر۔ شاہ جلال۔ شاہ توکل حسین شاہ۔ فدا علی شاہ۔ ابو سعید شاہ۔ محمد آفاق جیسے حضرات مجاہدہ و ریاضت میں ایک سے ایک بڑھا ہوا تھا۔ شاہ صاحب ہر ایک سے ملے جلے۔ تبادلہء خیالات کئے مگر کوئی ان کی ہمنوائی کو تیار نہ ہوا۔ ان سے نا امید ہوئے تو علماء کرام مولانا رشید الدین خان۔ مولوی کریم اللہ۔ مولوی مخصوص اللہ۔ مولوی قطب الدین خاں۔ مولوی عبدالخالق۔

مولوی سید محبوب علی۔ مولوی نصیر الدین شافی۔ مولانا محمد نور الحسن۔ مولوی کرامت علی۔ مولوی مملوک علی نانوتوی۔ سراج العلماء مفتی سید رحمت علی خان۔ بہادر اخون شیر محمد خاں۔ مولوی سید امت علی۔ مولوی محمد جان(11) ہر ایک درس و تدریس و تصنیف و تالیف میں لگا ہوا۔ مولوی احمد اللہ شاہ ہر ایک بزرگ سے ملے۔ وقت کی نزاکت کا احساس دلایا اور ان کے سامنے روئے دھوئے مگر ان کی فغاں اور بکا پر کسی نے کان تک نہ دھرے۔ حضرت مفتی صدر الدین آزردہ نے کچھ کچھ آمادگی کا اظہار کیا اور مشورہ دیا کہ آگرے جاکر اصلاحی تحریک کو کامیاب بنایا جائے۔

وہاں سے غرض شاد و ناشاد آپ ہوئے داخل اکبر آباد آپ

اکبر آباد:۔ صدر نظامت' الہ آباد سے آگرہ منتقل ہو چکا تھا اور اس کی وابستگان بھی آگرے آ گئے تھے۔ ان میں مفتی انعام اللہ خاں بہادر وکیل سرکار بھی تھے۔ شاہ صاحب مولانا آزردہ کا خط لائے تھے۔ مفتیؒ صاحب نے شاہ صاحب کو اپنے یہاں ٹھہرایا اور خاطر و مدارات میں لگ گئے۔ مفتی صاحب کا مکان اہل علم کا مرکز بنا ہوا تھا(12)۔ مولوی کریم اللہ خاں بہادر صدر الصدور۔ مولانا قاسم داناپوری۔ مولانا غلام امام شہید امتھوی۔ مولوی امام بخش وکیل۔ صدر مولوی حافظ ریاض الدین' مفتی شہر۔ شیخ محمد شفیع اللہ الہ آبادی۔ مولوی منصب علی وکیل۔ مولوی عظیم الدین حسن۔ مولوی محمد باسط علی۔ مولوی معین الدین۔ مولوی شیخ اعتقاد علی وکیل۔ مرزا احمد علی بیگ وکیل۔ سید باقر علی ناظم محکمہء دیوانی۔ مفتی عبدالوہاب گوپاموی۔ مفتی نور اللہ گوپاموی۔ مولوی نور الحسن۔ سید رحمت علی۔ مولوی طفیل احمد خیر آبادی(13) جیسے حضرات کی ان کے یہاں نشست تھی۔ ہر ایک نے شاہ صاحب کو آنکھوں پر جگہ دی۔ مولوی فیض احمد عثمانی بدایونی اور ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی جیسے لوگ شاہ صاحب کے گرویدہ ہو گئے۔ قوالی کی محفلیں جمنے لگیں۔ ذکر و فکر کے حلقہ قائم ہونے لگے۔ مریدین کا جمگھٹا بڑھنے لگا۔ مسلمان تو مسلمان ہنود بھی معتقد ہونے لگے۔ بابو بینی پرشاد الہ آبادی وکیل صدر آپ کا معتقد تھا۔

محفل سماع :- شاہ صاحب کے یہاں محفل سماع کا اہتمام خاص طور سے ہوتا تھا۔ مریدین پر توجہ ڈالی اور ادھر لوہے کے کڑھاؤں میں کوئلہ کے انگارے بھرے رہتے' وہ مجلس میں پھیلا دیئے جاتے۔ اس پر مریدین لوٹتے' آگ ان پر بالکل اثر نہ کرتی۔ میری پھوپی محترمہ عمدۃ النساء زوجہ خواجہ غلام غوث خاں بہادر ذوالقدر بیجبر الہ آبادی (14) فرمایا کرتی تھیں کہ ان کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر الہام اللہ مرحوم پر شاہ صاحب کی توجہ تھی اور وہ ان کے مرید تھے۔ وہ بھی شریک محفل سماع ہوتے اور دہکتے ہوئے کوئلوں پر مثل ماہیء بے آب تڑپتے مگر جسم پر نشان تک نہ پڑتا۔ آپ کی شہرت اور مقبولت عام ہو گئی تھی۔ ہر کہ ومہ شریک صحبت ہوتا تھا۔

وعظ :- وعظ آپ کے بے پناہ ہوا کرتے۔ ہزار ہا ہندو مسلمان شریک ہوتے۔ سننے والے بے قرار ہو ہو جاتے۔ ہر شخص قربان اور فدا ہونے کے لئے عہد کرتا۔ مولانا سید طفیل احمد صاحب علیگ نے اپنی کتاب "مسلمانوں کا روشن مستقبل" میں لکھا ہے۔ "ان کی تقریروں میں ہزاروں آدمی ہندو مسلمان جمع ہو جاتے تھے۔ چنانچہ آگرے کی تقریر میں دس دس ہزار آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا۔ ان کی ہر دلعزیزی کی یہ حالت تھی کہ پولیس نے (ایک موقع پر مجسٹریٹ کے حکم پر) انہیں گرفتار کرنے سے انکار کر دیا تھا(15)۔ یہ تو تقریر کی کیفیت تھی۔

مشق تیر و تفنگ :- ہفتے میں تیسرے روز بعد نماز عصر قلعہ اکبر آباد کے میدان میں مریدین کو لیجا کر فن سپہ گری اور شہ سواری کی مشق کرایا کرتے۔ خود بھی ایسا نشانہ لگاتے کہ جس کا جواب نہ تھا۔ تلوار کے ہاتھ ایسے بچے تلے ہوتے جس کی دھوم تھی۔ مریدین ثواب اور عبادت سمجھ کر یہ مشق کرتے تھے۔ مفتی انعام اللہ شہابی نے اپنی سواری کا گھوڑا اور بجلی سیف شاہ صاحب کو نذر کی۔

جلوس :- آپ کا جلوس جمعرات اور جمعہ کو باوقار اور نشان کے ساتھ نکلا کرتا۔ پالکی میں خود بدولت سوار ہوتے اور آگے ڈنکا بجتا۔ ہزار ہا آدمی جلوس میں ہوتے۔ جامع

مسجد میں آپ کے زمانے میں جتنے آدمی جمع ہو گئے' اتنے دیکھنے میں نہیں آئے۔ ڈنکے کی وجہ سے عوام میں ڈنکا شاہ کر کے بھی مشہور تھے۔ آپ کی رجوعات سے مشائخ وقت مخالف ہو گئے۔ فرخ شاہ فرخ آبادی نے اپنا رنگ جما رکھا تھا' ان کے ہاں عوام کی رجوعات کم ہونے لگی۔ ان کے ساتھی ایک مدرس تھے ان ہر دو شاہ صاحب کی مخبری حکومت میں جا کر کر دی مگر نتیجہ الٹا نکلا۔

تسخیر کر دی:- حضرت شاہ صاحب قصبات میں دورے کو تشریف لے جایا کرتے۔ کچھ عرصے کے لئے باہر گئے ہوئے تھے' حکام نے ان عہدہ داران صدر پر جن میں بڑا حصہ علماء کا تھا' رشوت کا مقدمہ چلایا۔ اکثر لوگ شاہ صاحب کے مرید و مشیر اور ہمنوا تھے۔ مسٹر دلسن جج مراد آباد سماعت مقدمہ کے لئے مقرر ہوا۔ شاہ صاحب کو سفر میں اس واقعہ کی خبر لگی۔ آپ نے فرمایا' یہ امتحان کی پہلی منزل ہے۔ گھبرانا نہ چاہئے' کسی کا بال بیکا نہ ہو گا۔ چند دن کی (آزمائش) ہے۔ استقلال اور پامردی کو کام میں لایا جائے۔ چنانچہ مقدمہ پیش ہونے پر جو گواہ آتے' ملزمین کی مقدس صورتیں دیکھ کر تھرا جاتے۔ جھوٹی گواہی دینے کی جرات نہ ہوتی مگر انتظاما" کچھ لوگوں کو سزا کی گئی۔ لوکل اخبار میں یہ خبر اس طرح شائع ہوئی۔ "عمال صدر کا مقدمہ جو مراد آباد میں دائر تھا صاحب سیشن جج صدر کے محکمے میں اس نہج سے فیصل ہوا۔ مولوی غلام جیلانی وکیل صدر مولوی غلام امام شہید پیشکار و منشی سراج الدین پیشکار کے حق میں چار چار سال کی قید کا حکم ہوا اور منشی محمد قاسم صاحب دانا پوری مسل خوان تین سال اور مولوی بدر الحسن مسل خوان اور مولوی آل حسن صاحب منصف صدر کو دو دو سال۔ اب ان صاحبوں کی اپیل صدر میں دائر ہوئی اور مسل مقدمہ مراد آباد سے صدر میں طلب ہوئی۔ اللہ اپنے فضل و کرم سے سب صاحبوں کو بری کرے (16)۔ دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ مولانا قاسم داناپوری جن کا شمار اولیائے کرام میں ہے اور ان کے ہزار ہا مرید صاحب ریاضت و مجاہدہ ان کو رشوت سے متہم کیا جانا تعجب ہے۔ دوسرے صاحب مولانا غلام (17) امام شہید جو عاشق رسول کہلاتے ہیں اور ان کے بھی ہزار ہا

مرید آگرہ، حیدر آباد، مراد آباد میں تھے وہ بھی رشوت میں۔ یہ سب سیاست ملکی تھی ان علماء کو منتشر کرنا تھا کیونکہ جس مقصد کے لئے یہ اٹھ رہے تھے اس بہانے سے اس میں رکاوٹ ڈالنا تھی۔ غرض کہ حضرت احمد اللہ شاہ صاحب کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ یہ سب حضرات بری ہوئے۔ مسل مقدمہ داخل دفتر ہوئی۔ خان بہادر مفتی انعام اللہ بھی اس مقدمے کی زد سے نہ بچ سکے۔ اسعد الاخبار ۷ ذی الحجہ ۱۲۶۶ھ میں تحریر ہے کہ "مولوی انعام اللہ صاحب وکیل صدر بعلت برآمد ہونے خطوط کے معطل ہوئے اور ان کی نسبت حکم میعادی پندرہ یوم صادر ہوا۔"

یہ لطف کی بات ہے کہ خان بہادر صاحب کے داماد خواجہ غلام غوث بیخبر خان بہادر ذوالقدر لیفٹیننٹ گورنر صوبہ مغربی و شمالی کے میر منشی نگران کی بھی کوئی رعایت نہیں۔ حکومت کا منشاء کچھ اور ہی تھا اس لئے وہ بھی لب بند کئے تھے مگر مفتی صاحب پر بھی کوئی آنچ نہیں آئی۔ جب بحال کئے گئے تو انہوں نے استعفاء دے دیا اور وکالت ترک کرکے نواب وزیر الدولہ کے پاس ٹونک چلے گئے اور مہتمم بندوبست ہو گئے مگر وہاں سے حضرت احمد شاہ کو امداد دیتے رہے۔(○)

عظیم الشان تاریخی مناظرہ:- ۱۸۵۶ء میں حضرت شاہ صاحب آگرہ سے لکھنؤ جا چکے تھے کہ پادری فنڈر کے مناظرے کا واقعہ ہوا۔ ہندوستان پر کمپنی کا اقتدار کافی و

○۔ مفتی انعام اللہ ابن مفتی محمد اسحاق سروردی ابن مفتی محمد ولی نبیرہ اعظم العلماء ملا وجیہ الدین ... فاری ... ۱۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے والد ماجد سے ... تحصیل ... فراغت علمی لکھنؤ گئے عرصہ تک نظامت کی تمنا میں رہے۔ ناکامیابی پر وہاں سے ... کلکتہ پہنچے۔ مشاعرہ کیا عمائد سے اس طرح تعلق ہو گیا۔ سر ایڈورڈ کول برک ... اس کا لڑکا مسٹر شیرا ان سے فارسی پڑھتا تھا۔ کول برک دلی کے ریذیڈنٹ مقرر ہوئے تو مفتی صاحب اس کے ہمراہ دلی آئے اس نے اپنے محکمہ کا سر رشتہ دار کر دیا۔ عرصے تک وہاں رہے ریذیڈنٹ ولایت گئے محکمہ قضاۃ شکست ہو گیا آپ الہ آباد آئے اور محکمہ صدر میں وکیل مقرر ہوئے۔ صدر آگرہ آیا تو آپ بھی اس کے ہمراہ آگرہ آئے ۲۱ ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ کو وصال ہوا درگاہ ابوالعلا میں دفن ہوئے۔(تاریخ مفتیان گوپامئو صفحہ ۳۹)

وانی ہوتے ہی ان کے زیر اثر عیسائی مناد ہندوستان آنے لگے۔ ایک طرف انگریزی سے عیسویت پر اردو میں ترجمے شائع کئے' دوسری طرف مشنریوں نے اپنے مطبعے بھی قائم کئے۔ ایک مطبع مرزاپور میں تھا' ایک آگرہ سکندرے میں قائم کیا بلکہ اخبار بھی نکالتے تھے۔ چنانچہ خطبات گارسان وتاسی میں ہے۔ "مرزاپور سے خیر خواہ ہند نکلتا تھا۔"

یہ امریکی پروٹسٹنٹ مشنریوں کا اخبار ہے اور اس کا مقصد تبلیغ مذہب ہے(18)
۔ دوسری جگہ گارسان وتاسی لکھتا ہے:-

"رومن کیتھولک نقطۂ نظر سے سرہنہ سے مذہبی عقائد کے سوال و جواب کی کتاب بھی چھپتی ہے۔ یہ آگرے والی کتاب سے زیادہ مفصل ہے یہاں پر مشنریوں نے مطبع قائم کر رکھا ہے۔"

عیسائی اولیاء کے تذکرے اور مذہبی کتابیں فارسی و دیوناگری حروف میں چھپتی ہیں۔(19)

"پروٹسٹنٹوں کی مذہبی مطبوعات بلاشبہ بہت زیادہ ہیں اور ان کی اشاعت سے اہل ہند میں رفتہ رفتہ عیسائی خیالات کی اشاعت ہوتی جاتی ہے۔"

ایک طرف عیسوی لٹریچر شائع کیا جا رہا تھا' دوسری طرف مبلغ' عیسویت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ ان کا تبلیغی طریقہ دلخراش تھا۔ وہ بلا دشنام طرازی کے کسی مذہب کے بانی و داعی کا ذکر ہی نہیں کرتے تھے۔ اسلام پر تو ایسے رکیک حملے کئے جس سے عوام کے جذبات میں بے حد جوش پیدا ہو چلا تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۴ء میں فنڈر نامی پادری یورپ سے ہندوستان پہنچا جسے عربی اور فارسی اور اسلامی علوم میں باضابطہ مہارت تھی۔ اس نے اسلام پر اعتراض کا ایک لامتناہی سلسلہ چھیڑ دیا تھا۔ ہندوستانی مسلمانوں کو عیسائیت اور عیسائی مذہب سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ عام علماء بھی اس مذہب کی تفصیلات سے ناواقف تھے اور انہوں نے کبھی توجہ بھی نہ کی تھی۔ البتہ بعض مسلمان محققوں نے دین عیسوی پر کافی مطالعہ کر رکھا تھا۔ بہار کے ایک ڈاکٹر

وزیر خان نامی جو مرشد آباد ایک عرصے تک رہے‘ پھر یورپ ڈاکٹری کی تکمیل کے لئے گئے‘ ایک طرف ڈاکٹری فن میں بڑی ڈگری لی اور دوسری طرف ذاتی سعی و کاوش سے یونانی اور عبرانی زبانوں میں معقول درک حاصل کیا۔ مذہب عیسوی پر جس قدر کتابیں شروح و تفاسیر حاصل کر سکتے تھے وہ لیں اور ان کا مطالعہ کیا اور ساتھ ہی ہندوستان لیتے آئے۔ ان کا تقرر گورنمنٹ نے آگرے میں کر دیا۔ محلہ کاغذیان تاج گنج میں رہتے تھے۔ پادری فنڈر مذکور نے ہندوستان میں چند جگہ علماء سے گفتگو بھی کی مگر وہ جواب نہ دے سکے تو آگرے آیا۔ یہاں اس وقت صدر نظامت کی وجہ سے علماء کا بڑا مجمع تھا۔

ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی رحمت اللہ کیرانوی سے بڑے تعلقات تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے پادری کی آمد کے بعد کیرانہ سے مولانا کو بلوا بھیجا۔ آگرہ آئے اور چھلی اینٹ مقیم ہو گئے۔

حکام صدر نے یہاں مناظرے کا بڑا انتظام کیا۔ ماہ رجب ۱۲۷۰ھ میں یہ مناظرے کی مجلس منعقد ہوئی‘ جس میں ہندوستان سے بھی بڑے بڑے عالم آئے تھے اور امراء بھی شریک ہوئے تھے۔ مسٹر راسمٹ حاکم صدر‘ مسٹر کرسٹن سیکرٹری ریونیو بورڈ‘ مسٹر ولیم حاکم علاقہ فوجی‘ مسٹر لیڈلی مترجم اول برٹش گورنمنٹ‘ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عیسائیوں کی طرف سے قیس فنڈر مناظر اول و قیس فرنچ مناظر دوم اور اہل اسلام کی طرف سے مولوی رحمت اللہ مناظر اول اور ان کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خاں تھے۔ جلسہ کئی یوم رہا۔ ہزار ہا ہندو مسلمان تماش بینوں کی حیثیت سے مناظرے میں شریک ہوتے تھے۔ پہلا مسئلہ جس پر بحث ہوئی وہ انجیل و توریت کی تحریف کا تھا۔ بحث و تمحیص کے بعد علانیہ سب کے سامنے پادری فنڈر کو اعلان کرنا پڑا کہ ہماری کتابیں (انجیل و تورات) محرف ہو چکی ہیں۔ لیکن صرف مسئلہ تثلیث میں تحریف نہیں ہوئی ہے۔ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ جس کتاب کو خود مشکوک مان رہا ہے‘ اس پر ایمان لانے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ الغرض فاش شکست کے ساتھ فنڈر کو

مجلس سے اٹھنا پڑا اور آگرے سے چلتا ہوا۔ اس نے تبلیغ عیسویت پر "میزان حق" کتاب لکھی تھی۔ ایک طرف مباحثہ گرم، دوسری طرف دولت کا لالچ اور سرکاری اعلیٰ عہدہ ملنے کی توقعات۔ چنانچہ مولوی صفدر علی، مولوی عماد الدین جیسے لوگ مرتد ہو گئے اور عیسویت قبول کرکے اسلام کے خلاف زہر اگلنے لگے تھے۔ پادری عماد الدین نے "تعلیم محمدی" لکھی۔ غرض کہ سب سے بڑا فتنہ مسلمانوں کے لئے یہ اٹھا کہ ایک طرف حکومت ان کے ہاتھ سے لے لی گئی، دوسری طرف مذہب پر بھی ہاتھ صاف کیا جا رہا تھا۔ عوام لالچ سے دن بدن عیسویت کی طرف مائل ہوتے جا رہے تھے۔ یہی چیز علماء کی بے چینی کا سب سے بڑا سبب ہوئی اور شاہ احمد اللہ کی تحریک سے علماء دلچسپی لینے لگے کہ بغیر اس کے، تغلب نصرانیت سے چھٹکارا ممکن نہیں۔ فرانسیسی مشنریوں میں سے مسٹر جوزف بھی تھے۔ یہ مفتی انعام اللہ خان بہادر کے احباب سے تھے۔ حضرت احمد اللہ شاہ کے فیض صحبت سے اسلام لائے اور یوسف علی شاہ نام رکھا گیا۔ ایک مسجد ان کے نام سے آج تک آگرے میں موجود ہے۔ خاندان صابریہ میں بیعت ہوئے۔

(نوٹ) ڈاکٹر وزیر خاں فتنہ عام قرطاس میں آگرے سے دہلی چلے گئے۔ جنرل بخت خاں نے ان کو آگرے کا لارڈ گورنر کر دیا تھا۔ (20) ان کے معرکے بھی دلی کے ہنگامے میں کارنامے کی صورت سے ہوتے تھے۔ ان کی ہمراہی میں مولوی فیض احمد عثمانی بدایونی تھے۔

(نوٹ) مولوی رحمت اللہ کیرانوی ابن نجیب اللہ ان کے جد اعلیٰ شیخ عبدالرحمٰن عثمانی گارزانی، سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ وارد ہند ہوئے۔ قصبہ پانی پت میں قیام کیا ان کی اولاد سے مولوی رحمت اللہ ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتب وطن میں پڑھیں۔ مولوی محمد احمد کے ہمراہ تحصیل علم کے لئے شاہجہاں آباد آئے اور مدرسہ مولوی حیات میں قیام کیا۔ ان کے والد راجہ ہندو راؤ میرٹھ کے میر منشی تھے۔ عمر زیادہ ہو چکی تھی، وہ ۱۲۵۳ھ میں وطن چلے گئے۔ مولانا یہاں سے لکھنؤ گئے۔ مفتی سعد اللہ سے تکمیل اور ازالۃ الاوہام کتاب لکھی۔ دہلی لوٹے اور مولوی آل حسن سے ملے پھر کیرانہ وطن گئے۔ آگرے آئے، مناظرہ پادری فنڈر میں شریک ہوئے۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں ان کی گرفتاری کا اشتہار جاری ہوا۔ یہ مکہ معظمہ کو عازم ہوئے۔ وہاں مستقل قیام کیا۔ ۱۲۸۴ھ میں قسطنطنیہ پادری فنڈر

پہنچا۔ وہاں آپ بلائے گئے' اس کو وہاں بھی شکست ہوئی۔ مولانا مکہ لوٹے اور مدرستہ صولیتہ قائم کیا' ان کو سلطان نے ۱۲۵ روپیہ ماہانہ دینا شروع کیا۔ مولوی رحمت اللہ حجاز جب ہجرت کر گئے تو ہندوستان میں حکومت نے ان کی املاک پر قبضہ کیا اور اس پر ہل چلوا دیئے۔ عمر ۷۵ سال ۲۴ رمضان ۱۳۰۸ھ میں مدینے میں وصال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ مولوی امیر علی شاہ امیٹھوی ۱۰ فروری ۱۸۵۶ء میں شہید ہوئے۔

"واقعہء شہادت امیر علی شاہ":- مولوی امیر علی شاہ کی شہادت کی خبر آگرے بھی پہنچی۔ حضرت احمد اللہ شاہ نے سن کر فرمایا اب وقت ہمارے کام کا آگیا۔ اولاً گوالیار گئے۔ اپنے پیرو مرشد محراب شاہ قلندر سے ملے اور لکھنؤ کے سفر کی اجازت لی۔

ہوئے شاد حضرت کے انعام سے — رہے تھوڑے دن عیش و آرام سے
سفر کی وہاں سے بھی رخصت ملی — پےء جنگ و پیکار اجازت ملی
جھکے کوشش و جستجو کی طرف — گئے بلدۂ لکھنؤ کی طرف

آپ آگرے سے روانہ ہونے لگے' مریدین ہمراہ ہو گئے۔ ایک جم غفیر ساتھ تھا ہر ایک مرید نے توشہ ساتھ لے لیا تھا اور گھر بار کا معقول انتظام کر دیا تھا۔ ماں نے بیٹوں کو اجازت دی تھی اور بیوی شوہر کو رخصت کر رہی تھی۔ ہر ایک کا دل مگن تھا۔ مرشد ساتھ ہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

کانپور:- کانپور پہنچے' یہاں عظیم اللہ خاں سے ملاقات ہوئی۔ یہ شخص انگریزی کا بڑا عالم تھا۔ ماسٹر گنگا دین سے انگریزی تحصیل کی تھی۔ مشن کالج کے ہیڈ ماسٹر رہے' پھر کلکٹر کے کہنے پر نوکری ترک کر کے نانا راؤ پیشوا والیء بھٹور کے سربراہ کار ہو گئے۔ نانا راؤ جس کا متبنی تھا اس کو پنشن آٹھ لاکھ ملتی تھی۔ وہ گورنمنٹ نے ضبط کر لی۔ عظیم اللہ خاں نے کہا میں ولایت جا کر لارڈ ڈلہوزی سے تنخواہ واگذاشت کرا لاؤں گا۔ چنانچہ ۱۸۵۴ء میں عظیم اللہ خاں اور نانا راؤ کا بھائی بالا صاحب اور علی محمد خاں المعروف جیمی گرین بریلوی جو نوابان روہیل کھنڈ کی اولاد سے تھا اور انگریزی کا بڑا

واقف کار

(نوٹ) علی محمد خاں بریلوی روہیل کھنڈ کے بڑے شریف خاندان نوابان سے تھے۔ جس میں نواب نجیب الدولہ' نواب دوندے خاں جیسے لوگ گذرے۔ بدو شعور پر انگریزی تعلیم دلوائی۔ بریلی کالج میں پڑھا اور انگریزی میں نام پیدا کیا۔ نیز انجینیرنگ کالج روڑکی میں داخل ہو کر اول درجہ پاس کیا۔ مگر کمپنی نے ملازم جمعداری کے عہدے پر کیا' جس سارجنٹ کے ماتحت تھے وہ ان سے وحشیانہ برتاؤ کرتا تھا۔ یہ ملازمت چھوڑ کر وطن چلے گئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد نصیرالدین حیدر شاہ اودھ کی ملازمت کے لئے گئے۔ لکھنؤ میں سنا' مہاراجہ جنگ بہادر والیء نیپال گورکھپور میں لکھنؤ کے خلاف تیاری کر رہا ہے اور انگلستان جانے کے لئے ایک انگریزی داں لائق سیکرٹری چاہتا ہے۔ یہ فوراً اس کے پاس گئے' اس نے نوکر رکھ لیا۔ مہاراجہ کے ہمراہ انگلینڈ گئے' وہاں سے برما بھی جانا ہوا۔ ہندوستان آکر دوسرے راجواڑوں میں نوکر رہے۔ پھر عظیم اللہ خاں سے ملنا ہوا۔ اس کے ساتھ رہے۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء کی خبر سے بریلی کی پلٹن میں شامل ہو کر دلی آئے اور چیف انجینیر مقرر ہوئے۔ پھر لکھنؤ آکر حضرت محل کی فوج کے چیف انجینیر ہو گئے۔ آخر ش اناؤ میں پکڑے گئے اور پھانسی پر لٹکا دیئے گئے۔ مفصل حال سرگذشت محمد علی خاں بریلوی عرف جیمی گرین "مصنف" مارچ ۴۳ء صفحہ ۱۳۶ میں دیکھئے۔

اور عظیم اللہ کا ہم سبق تھا' اس کو ساتھ لیا۔ تینوں انگلستان پہنچے' ان کے ساتھ کافی رقم تھی۔ حسب دل خواہ وکیل کئے گئے اور نانا راؤ کا حکم تھا کہ بصورت ضرورت مٹھی بھی گرم کر دی جائے۔ آؤ بھگت ان لوگوں کی خوب ہوئی مگر مطلب خاک نہ نکلا۔ پانچ لاکھ روپیہ خراب کر کے وہاں سے یہ وفد براہ قسطنطنیہ ہندوستان کو ۱۸۵۵ء میں روانہ ہوا۔ وفد قسطنطنیہ سے کریمیا گیا۔ ۱۸ جون کو انگریزی فوج نے حملہ کیا تھا' جس میں یہ شکست یاب ہوئے۔ یہ حال ان لوگوں کے سامنے گزرا۔ میدان جنگ سے پھر قسطنطنیہ لوٹے' جہاں کئی روسی افسر ملے' وہ کہنے لگے اگر تم لوگ ہندوستان میں انگریز سے بغاوت کرو تو ہم ہر طرح مدد دیں گے اور تمہارا ملک آزاد ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ ہندوستان آ گئے اور نانا راؤ سے سب حال کہہ سنایا۔ اس نے بھی ارادہ کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح کمپنی کا راج سرزمین ہندوستان سے کھو دیا جائے(21)

لکھنؤ کی روانگی:- حضرت احمد اللہ شاہ صاحب کچھ عرصہ کانپور رہے۔ یہاں سے اناؤ ہو کر لکھنؤ پہنچے' گھاس کی منڈی میں قیام کیا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی جو خالص سرکاری آدمی تھے' ان دنوں صدر الصدور تھے۔ کچھ دن ہوئے تھے کہ امیر علی شاہ کے خلاف فتویٰ مولوی عبدالرزاق فرنگی محلی کی تائید میں دے چکے تھے' وہ آپ سے ملنے آئے۔ شاہ صاحب سے ایسی گفتگو ہوئی کہ گھر جاتے ہی صدر الصدوری سے استعفیٰ دے دیا اور الور چلے گئے اور انگریزوں کے جتنے خیر خواہ تھے اتنے ہی دشمن ہو گئے۔ لکھنؤ کے قیام میں ہر شخص شاہ صاحب کی خدمت میں آنے لگا۔ امیرو غریب کی کوئی قید نہ رہی۔ عقیدت سے سب پیش آنے لگے۔

نصاریٰ سے جو حکم پیکار تھا ہر اک شخص سے اس کا اظہار تھا

تحریک کو تقویت دینے کے لئے امیر علی شاہ کی شہادت کو تشویق جہاد کے لئے پیش کیا اور اپنے مریدین کو ساتھ لے کر فیض آباد پہنچے۔

کہ حضرت جو خیمے میں داخل ہوئے سوئے فیض آباد مائل ہوئے

آپ نے فیض آباد میں جو تقریریں کیں اور واقعات شہادت حضرت امیر علی شاہ بیان کئے' ہر فیض آبادی پر ایک مجاہدانہ رنگ آگیا اور ان میں فرنگیوں اور عمال کمپنی سے انتقام لینے کی آگ بھڑکنے لگی۔ آپ کے پاس ہزار ہا فدا کار جمع ہونے لگے اور ہر ایک اسلحہ سے آراستہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی ان کو باضابطہ جنگی تربیت اور قواعد کی تعلیم دی جانے لگی۔ یہ خبریں حکام تک پہنچیں' انہوں نے کوتوال شہر کو آپ کے پاس بھیجا کہ قواعد اور اسلحہ بندی کیا معنی رکھتی ہے۔

غرض کہ شاہ صاحب نے حکومت کی دھمکیوں کو خطرہ میں نہیں لاتے ہوئے پیری مریدی کا سلسلہ قائم کر دیا اور مجاہدین کی تنظیم شروع کر دی۔ آخرش حاکم فیض آباد نے فوجی قوت سے آپ کو روکنا چاہا۔ ردوبدل میں ایسا طول کھینچا' ہر دو طرف سے تلواریں کھنچ گئیں۔ شاہ صاحب سے ایک فوجی افسر کے دو دو ہاتھ ہوئے۔ ایک ہی وار میں وہ آ رہا' مگر زخمی کر کے چھوڑ دیا۔ فوجی نرغہ اس قدر تھا کہ شاہ صاحب بھی

زخمی ہو کر گر پڑے۔ معاونین یہ حال دیکھ کر پیچھے ہٹتے اور آگے بڑھتے اور مقابلہ کرنے کی تجویزیں سوچنے لگے مگر فوج کے سپاہیوں نے شاہ صاحب کو بے ہوشی میں گرفتار کر لیا اور پالکی میں ڈال کر قید خانے لے گئے اور پابہ زنجیر کر دیا اور آپ کے ہمراہی بھی گرفتار کر لئے گئے۔

وہ شیر ژیاں پھنس گئے دام میں ہوئے قید اس فتنۂ عام میں

ہنگامہ ۱۸۵۷ء:- اس واقعہ بالا کو چند ماہ گزرے تھے کہ میرٹھ سے ہنگامہ ۱۸۵۷ء کی خبر عام ہوئی۔ اس کا اثر اہل فیض آباد نے بھی لیا۔ یہاں حکومت کمپنی سے نفرت تو پیدا تھی ہی، موقعہ دیکھ کر امیر علی شاہ کے ساتھیوں نے اور احمد اللہ شاہ کے مریدوں نے شہر میں آگ لگا دی۔ فوجیوں میں بغاوت پھیل چکی تھی۔ ان کا پہلا حملہ جیل خانے پر ہوا، تمام قیدی چھوڑ دیئے گئے اور شاہ صاحب کو قید فرنگ سے آزاد کرایا۔ ادھر مولوی سکندر شاہ فیض آبادی رحمتہ اللہ علیہ نے علم جہاد بلند کیا۔ عوام ان کے ساتھ ہو گئے۔ لیفٹیننٹ طامس صاحب نے فوج سے ان کا مقابلہ کیا۔ مولوی صاحب کے ساتھ بھی باضابطہ فوج تھی ہی، چند توپ کے گولوں نے عوام کے چھکے چھڑا دیئے۔ آخرش مولوی سکندر شاہ کو پکڑ لیا اور قید خانے میں داخل کر دیئے گئے۔ مولوی احمد اللہ شاہ نے لکھنؤ کا رخ کیا تاکہ لکھنؤ پر اپنا قبضہ جما دیں۔ چنانچہ لکھنؤ میں مولوی احمد سعید سبط شاہ، غلام علی نے علم محمدیؐ اٹھا رکھا تھا اور عوام میں عام بے چینی پیدا ہو گئی تھی مگر کرتا دھرتا کوئی نہ تھا۔ حضرت احمد اللہ شاہ کے پہنچتے ہی ہر ایک ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگا اور تمام منتشر مجاہدین آپ کے پاس آ جمع ہوئے۔ سر ہنری لارنس چیف کمشنر لکھنؤ نے حتی الوسع بغاوت کو رفع کرنا چاہا مگر سعی بے نتیجہ رہی۔

تخت نشینی مرزا برجیس قدر:- جولائی ۱۸۵۷ء کو رسالدار سید برکات احمد اور راجہ لال سنگھ اور شہاب الدین وغیرہ نے شہزادہ مرزا برجیس قدر خلف واجد علی شاہ کو اودھ کا بادشاہ بنا کے تخت پر بٹھا دیا۔ مسند نشینی کے وقت جہانگیر بخش صوبیدار توپ

خان فیض آباد نے ۲۱ ضرب توپ کی سلامی سر کی۔ شرف الدولہ محمد ابراہیم علی خاں کو خلعت وزارت عطا ہوا۔ جرنیلی کا خلعت حسام الدولہ کو ملا' مگر کل و جز کے اختیارات ناصر الدولہ علی محمد خاں عرف ممو خاں کے ہاتھ میں تھے۔

برجیس قدر کی عمر تیرہ سال کی تھی۔ ان کی والدہ حضرت محل جو ایک بہادر خاتون تھیں وہ ولیہ مقرر ہوئیں مگر اس تخت نشینی سے باشندے خوش نہ تھے۔ تمام سنی امیر علی شاہ کے واقعہء شہادت سے واجد علی شاہ اور ان کے خاندان کے افراد کے جانی دشمن اور بدخواہ تھے۔ ان کو اس خاندان سے دلی نفرت تھی اور وہ یہ چاہتے تھے کہ اودھ کی حکومت پر سنی حکمراں ہو۔ چنانچہ مولوی احمد اللہ شاہ' اہل لکھنؤ کا نقشہ دیکھ کر خود داعیء حکومت ہو گئے۔ ایک مورچہ قائم کیا اور نصف لکھنؤ پر اپنا تسلط جمایا۔ جگہ جگہ اپنے تھانہ چوکی بٹھا دیئے اور عمال مقرر کر دیئے۔ یہ حال دیکھ کر حضرت محل حاضر ہوئیں اور مرزا برجیس قدر کو آپ کے قدموں میں لا ڈالا اور عرض کی کہ آپ اس کے سرپرست رہیں اور جو حکم آپ دیں گے' ہم لوگ تابعداری کے لئے حاضر ہیں مگر ممو خاں کو شاہ صاحب کا وجود ناگوار تھا اور وہ آپ کے اثرات اور فضل و کمال سے گھبرا رہا تھا۔ اس کی تمام امیدوں پر آپ کے اقتدار سے پانی پڑ گیا تھا۔ مگر اپنی سعی میں کوتاہی نہیں کر رہا تھا۔ ممو خاں کو انگریزوں سے بھی دلی بغض تھا۔ واجد علی شاہ کی معزولی کا انتقام لینے کے لئے پوری شجاعت اور مردانگی سے کام لے رہا تھا۔ انگریزی فوج کے مقابلے میں داد شجاعت دی مگر ساتھ ہی مالداروں اور جوہریوں سے روپیہ جبریہ کھینچ رہا تھا۔ بڑے بڑے ساہوکار پکڑوا بلواتا اور ان سے جبر سے فوج کی امداد کے نام سے روپیہ وصول کرتا۔ اس کی اس حرکت سے عوام میں انتشار تھا اور وہ لوٹ لوٹ کر عہدہ داران کمپنی سے خفیہ ساز باز کر رہے تھے۔ ادھر مولوی احمد اللہ شاہ کا یہ عالم تھا کہ کسی فرد پر ظلم نہ ہونے پائے۔ اگر کوئی خوش دلی سے نذرانہ پیش کر دے تو مضائقہ نہ تھا۔ چنانچہ امیر اور دولت مند شاہ صاحب کے پاس کافی رقم بھیجتے تھے۔ غلہ وغیرہ کی مدد کرتے تھے۔ ممو خاں کے ظلم کے ستائے

ہوئے لوگ جو تھے وہ آپ سے فریاد کرتے تو آپ ان کی دلجوئی فرماتے اور ممو خاں سے رقم واپس کراتے۔ یہی وجہ تھی کہ شاہ صاحب کا سکہ لکھنؤ پر بیٹھ رہا تھا۔ سنی تمام آپ کے گرویدہ تھے' البتہ شیعہ خوش نہ تھے مگر ظاہراً ساتھ تھے اور کمپنی کے بھی خیر خواہ بنے ہوئے تھے۔

مولانا عبدالحلیم شرر "گزشتہ لکھنؤ" میں لکھتے ہیں:۔

"کارتوس کے جھگڑوں اور گورنمنٹ کی ضد نے ۱۸۵۷ء میں غدر پیدا کر دیا اور میرٹھ سے بنگالے تک ایسی آگ لگی کہ اپنے پرائے سب کے گھر جل اٹھے اور ایسا فتنہء عظیم پیدا ہوا کہ ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ کی بنیاد ہی متزلزل نظر آتی تھی۔ جس طرح میرٹھ وغیرہ کے باغی سمٹ کے دہلی میں جمع ہوئے تھے اور ظفر کو ہندوستان کا شہنشاہ بنایا تھا۔ ویسے ہی الہ آباد فیض آباد کے باغی بھی' ۱۸۵۷ء میں جوش و خروش کے ساتھ لکھنؤ پہنچے' ان کے آتے ہی یہاں کے بھی بہت سے بے فکرے اٹھ کھڑے ہوئے اور برجس قدر کی بادشاہی قائم کر دی۔ تھوڑی سی انگریزی فوج اور یہاں کے تمام یورپین عہدہ داران مملکت جو باغیوں کے ہاتھ سے جاں بر ہو سکے' بیلی گارڈ میں قلعہ بند ہو گئے' جس کے گرد باغیوں کے پہنچنے سے پہلے دمدمے بنا لئے گئے تھے اور حفاظت و بسر کا کافی بندوبست کر لیا تھا۔ لکھنؤ میں انگریزوں کی باغی فوج کے علاوہ اودھ کے اکثر زمیندار و تعلقہ دار اور عہد شاہی کے برطرف شدہ سپاہی کثرت سے جمع تھے۔"

برجیس قدر کے ہمراہیوں میں کوئی ایسا فرد نہ تھا جو اصول جنگ سے واقف ہو اور تمام منتشر طاقتوں کو یکجا کر کے ایک باضابطہ فوج بنا سکے۔ بخلاف اس کے انگریز اپنی جان پر کھیل کر اپنی حفاظت کرتے' سر ہتھیلی پر لے کے حملہ آوروں کو روکتے تھے۔ اور جدید اصول جنگ سے بخوبی واقف تھے۔ لکھنؤ میں برجیس قدر کا زمانہ اور حضرت محل کی حکومت تھی۔ برجیس قدر کے نام کا سکہ بھی جاری ہوا۔ عہدہ داران

سلطنت مقرر ہوئے۔ ملک سے تحصیل وصول ہونے لگی اور صرف تفنن طبع کے طور پر محاصرے کی کارروائی بھی جاری تھی۔ لوگ حضرت محل کی مستعدی و نیک نفسی کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ سپاہیوں کی نہایت قدر کرتی اور ان کے کام اور حوصلے سے زیادہ انعام دیتی تھی۔ مشیر اچھے نہ تھے اور سپاہی کام کے نہ تھے۔ ہر شخص غرض کا بندہ تھا اور کوئی کسی کا کہنا نہ مانتا تھا۔ انگریزی فوج کے باغی اس غرور میں تھے کہ یہ فقط ہمارے دم کا ظہور ہے۔ اصلی حاکم ہم ہی ہیں اور جس کے سر پر جو تا رکھ دیں وہی بادشاہ ہو جائے۔ مولوی احمد اللہ شاہ صاحب جو فیض آباد کے باغیوں کے ساتھ آئے تھے اور کئی معرکوں میں لڑ چکے تھے وہ الگ اپنا رعب جما رہے تھے بلکہ خود ہی اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔ برجیس قدر کے مقابل لکھنؤ ہی میں ان کا دربار الگ قائم تھا اور دونوں درباروں میں پولیٹیکل اختلاف کے ساتھ شیعہ سنی کا جھگڑا اور تعصب بھی نمایاں ہونے لگا۔ غرض بادشاہ اور شاہ صاحب میں رقابت بڑھتی گئی۔ آخر اس سال نومبر میں برجیس قدر کی تخت نشینی کو چھ یا سات مہینے ہوئے تھے کہ انگریزی فوج لکھنؤ پر تسلط حاصل کرنے کے لئے آ گئی۔ جس کے ساتھ پنجاب کے لوگ اور بھوٹان کے پہاڑی بھی تھے(22)۔ اس جگہ جی ڈبلیو فارسٹر کا بیان(23) بھی مولوی احمد اللہ شاہ کے متعلق دلچسپ اور تاریخ کی اہم کڑی کے اظہار پر مبنی ہے' وہ لکھتا ہے:۔

"اس جگہ پر جن کو فیض آبادی مولوی کہا گیا ہے' یہ بتا دینا ضروری ہے کہ وہ عالم باعمل ہونے کے وجہ سے مولوی تھا۔ روحانی طاقت کی وجہ سے صوفی تھا اور جنگی مہارت کی وجہ سے وہ سپاہی اور سپہ سالار تھا۔ مولوی فیض آبادی احمد شاہ نام تھا۔ ظلم طبیعت میں نہ تھا۔ ہر انگریز اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔"

ان کے متعلق ایک مختصر نوٹ جو چارلس نال نے اپنی کتاب میں لکھا ہے' وہ ایک حد تک ان کی خصوصیات اور سیرت کا اجمالی نقشہ پیش کرتا ہے۔

حلیہ :- ایک لمبا لاغر مگر مضبوط آدمی۔ دبلے جبڑے' لمبے پتلے ہونٹ' اونچا بانسہ' بڑی بڑی آنکھیں' تیغ نما ابرو' لمبی داڑھی' سخت کالے بالوں کی زلفیں دونوں کاندھوں پر پڑی رہتیں۔ اس حلیے کے بیان کے بعد لکھتا ہے :-

"اودھ کے باغیوں کی تجاویز اور سازش کی تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا اس مولوی کو انگریزی حکام بحیثیت احمد شاہ فقیر اور صوفی عرصے سے جانتے تھے۔ شمال مغربی صوبہ جات میں ظاہراً" مذہبی تبلیغ کی خاطر دورہ کر چکے تھے' لیکن فرنگیوں کے لئے یہ راز ہی رہا۔ اپنے سفر کے دوران میں ایک عرصے تک وہ آگرے میں مقیم رہے۔ حیرت انگیز اثر' شہر کے مسلم باشندوں پر تھا۔ شہر کے مجسٹریٹ ان کی جملہ نقل و حرکت پر نظر رکھتے تھے۔ عرصے بعد یقین ہو گیا کہ وہ برطانوی حکومت کے خلاف ایک سازش کر رہے ہیں' لیکن پھر بھی ان کو کسی باغیانہ جرم میں ملوث نہ پایا گیا۔ وہ آزاد رہے' آخر کار جب بغاوت رونما ہوئی اور وہ فیض آباد کے فوجیوں میں بھی یہ لوگ پہنچے تو یہ مولوی جو سابقاً" غیر منظم طریقے پر اپنے مریدین کو ابھار رہے تھے' گارد کی نگرانی میں تھے۔ ہنگامہ کرنے والوں نے ان کو چھڑا کر اپنا سردار بنا لیا۔ اس طرح مولوی صاحب ایک طاقتور فوج کے سپہ سالار بن گئے۔

اگرچہ کچھ عرصے تک دوسرے باغی سرداروں کی طاقت چھپی رہی' لیکن اس شخص کا اثر باغیوں پر بھرپور تھا۔ چونکہ یہ قابل آدمی اور ظلم کے دھبے سے پاک تھا' جو نانا صاحب کی انتقامی جوش کی خصوصیت تھی' اس سے یہ بالکل پاک و صاف تھا۔ اس لئے برطانیہ بھی ایک حد تک ان کو اچھا اور قابل نفرت دل میں نہیں سمجھتی تھی۔

معرکہ :- غرض کہ برجیس قدر اور شاہ صاحب کی کشمکش سے آٹھ ماہ گزر گئے۔ لکھنؤ کے نزدیک انگریزی فوج آموجود ہوئی۔ ادھر دلی' آگرہ' کانپور وغیرہ کے ارباب

سیاست اپنی ناکامیوں کے بعد لکھنؤ آ گئے۔

شاہزادہ فیروز شاہ (شہزادہ فیروز شاہ ابن ناظم بخت فرخ سیر شاہ دلی کے نواسے تھے۔ حج کے لئے روانہ ہوئے۔ حج سے واپس آکر اندور میں مقیم ہوئے۔ یہیں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی خبر لگی۔ گوالیار گئے۔ پھر دھولپور سے خزانہ لیا اور افغانیوں کو ساتھ لے کر آگرہ پر حملہ بولا۔ پھر میوات گئے۔ شیخ فضل علی رسالدار اور جنرل عبدالصمد خان انکے شریک ہو گئے۔ **لکھنؤ** آکر احمد اللہ شاہ کے شریک ہوئے۔ مراد آباد' بریلی' شاہجہانپور میں معرکوں میں انگریزی طاقت سے مقابلہ کیا۔ آخرش بعد شہادت شاہ صاحب اٹاوہ' جے پور' بیکانیر وغیرہ ہو کر حجاز پہنچ گئے۔ آخری ایام آرام سے گذارے۔ ۱۸۹۵ء کے بعد انتقال ہوا۔ شہزادہ کا مفصل تذکرہ غدر کے چند باغی علماء میں ہے)' **جنرل بخت خاں**' بہادر شاہ کے بھائی **مرزا کوچک سلطان**' مولوی لیاقت علی الہ آبادی' قاضی سرفراز علی جونپوری' امیرالمجاہدین یہ سب حضرات شاہ صاحب کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے۔ میر اکبر علی ساکن گنتور نے دو بٹالین سرہندی نوکر رکھ لئے اور نواب گنج کے ایک باغ میں مورچہ جما کر بیٹھ گئے اور حضرت احمد اللہ شاہ سے عرض کی حضور بھی گھاس کی منڈی سے یہاں آ جائیں۔ چنانچہ آپ بھی مع ساتھیوں کے باغ میں اٹھ آئے۔

پہلا معرکہ :- شاہ صاحب نے جانبازوں کی جماعت سے عمارات سلطانی پر ہلہ بول دیا۔ آپ کے پیر میں گولی بھی لگی مگر سرکاری فوج پر کامیاب ہوئے۔ ان کو اپنا مورچہ چھوڑنا پڑا۔ آخر رسد خانہ کی کوٹھی پر انہوں نے قبضہ کر لیا(24)۔ اور ادھر مچھلی بھون میں سرنگ لگا کر اڑا دیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ لکھنؤ پر شاہ صاحب چھا گئے مگر ممو خاں کی بے وقوفی اور غرور نے تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ بیلی گارڈ پر شاہ صاحب حملہ آور ہوئے۔ پھاٹک تک پہنچ گئے مگر ساتھیوں نے ہمت ہار دی اور ممو خاں کی کارفرمائی سے یہاں سے آپ کو پسپا ہونا پڑا۔ ایسے کئی مقابلے ہوئے

آخری معرکہ عالم باغ :- ۱۹ رجب کو جرنل مارٹن نے مورچہ قائم کیا' اس کے مقابل جنرل بخت خاں نے چکراولی کوٹھی کی طرف مورچہ لگایا اور اپنے کیمپ سے اجریا میں بھی مورچہ قائم کیا' جس کا انچارج یوسف خاں برادر ممو خاں کو کیا اور اشرف الدولہ غلام رضا رسد رسانی کے انتظام پر مقرر ہوئے۔ چکراولی کوٹھی کے

مورچہ کے انچارج حضرت شاہ صاحب خود تھے۔ سلطان پور سے جو فوج انگریزوں کی آئی' اس سے نواب اشرف الدولہ سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔ یہ ککڑال پر اپنے ساتھیوں سمیت کھڑے تھے۔ توپ کا گولہ اشرف الدولہ کے ہاتھی پر جو لگا' یہ گھبرا گئے اور اپنے گھر کا راستہ لیا۔ ادھر محلات پر چند گولے برسے۔ بھگدڑ پڑ گئی۔ چکراولی کے مورچہ پر انگریزی فوج کا دباؤ پڑنے لگا۔ شاہ صاحب داد شجاعت دیتے رہے۔ حضرت محل بھی ممو خاں کے ساتھ فوج کے لڑانے میں سرگرمی دکھا رہی تھی۔ شاہ صاحب نے اپنے مورچے کا رنگ بگڑتا دیکھا' وہاں سے ہٹ کر سرائے معتمد الدولہ میں آکر ٹھہرے۔ آخری جنگ شاہ صاحب نے عیش باغ پر ڈٹ کر کی۔ شہزادہ فیروز شاہ کو معہ تلنگوں کے پکے پل پر لگایا مگر نواب ممو خاں اور حضرت محل کی گھبراہٹ اور بے موقع میدان مصاف سے ہٹنے سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ حضرت محل برجیس قدر کو لے کر لکھنؤ سے نکل کھڑی ہوئیں۔ مولوی احمد شاہ لڑتے بھڑتے رہے' آخرش شاہ صاحب اور شاہزادہ فیروز شاہ و جنرل بخت خاں اپنے ساتھیوں کو لے کر شاہجہاں پور روانہ ہوئے۔ سیتاپور ہو کر گوپا مئو پہنچے۔ میرے عزیز مولوی ابرار حسین فاروقی فاضل ازہر ایم اے (علیگ) گوپاموی اپنے والد(25) کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ اس وقت قصبے میں نصیر الاسلام خاں(نواب نصیر الاسلام نہایت ذی علم دانشمند اور فہیم تھے۔ عرصہ تک آخری شاہ اودھ کے دارالانشاء میں رہ چکے تھے) ممتاز رئیس تھے۔ شاہ صاحب کی تشریف آوری پر علماء و روٗسا قصبہ نے شایان شان استقبال کیا اور کافی سے زیادہ مدارات کی۔ مفتی نور اللہ اور مفتی عبدالوہاب آپ کے مرید خاص یہاں رہتے تھے پھر یہاں سے عازم شاہجہانپور ہوئے۔

شاہجہاں پور اور روداد ہنگامہ :- ۳۱ مئی بروز اتوار شاہجہاں پور میں ہنگامہ بپا ہوا۔ فرنگی گرجا میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کپتان مع فوج کے آ گئے۔ سپاہی ہٹ کر شہر پر حملہ کرنے چلے گئے۔ قلعہ پہنچ کر نواب قادر علی خاں کو ناظم شہر مقرر کیا اور سند نظامت نواب خان بہادر خاں نبیرۂ حافظ الملک حافظ رحمت خاں نواب بریلی سے

حاصل کی اور ضلع کا انتظام اپنے ذمہ لیا۔ ایک سال تک یہ جنگ آزادی برپا رہی۔ اس دوران میں جنرل بخت مشہور سرغنہ اور تجمل حسین خاں رئیس فرخ آباد اور شاہزادہ فیروز شاہ و جنرل اسماعیل خاں فتح گڑھ سے پسپا ہو کر شاہجہاں پور آ موجود ہوئے۔ نانا راؤ پیشوا بھی آگے ۲۸ اپریل کو بچھوریہ کے مقام پر نواب قادر علی خاں اور کمپنی کی سپاہ سے مقابلہ ہوا۔ نواب موصوف کے کمانڈر نظام علی خاں شہباز نگری تھے۔ اس لڑائی میں معہ ساتھیوں کے کام آئے بقیہ فوج نے راہ فرار اختیار کی۔ شہر کی حفاظتی فوج مولوی احمد اللہ شاہ کے زیر کمان تھی۔ انہوں نے فوج سرکاری کو آتے ہوئے دیکھ کر شہر کو خالی کر دیا اور دو تین روز بعد پلٹ کر شاہجہانپور پر دھاوا بول دیا اور انگریزی فوج جیل میں دھس بندی کر کے مورچہ زن ہوئی۔ شاہ صاحب نے بھی کوٹھی کو باغیوں کا مکان سمجھ کر پھونک دیا۔ ۳ مئی ۵۸ء سے ۹ مئی تک حملہ جاری رہا۔ محصورین کی حالت نہایت نازک ہو رہی تھی کہ سر کالن کمبل کو وقت پر اس کی خبر ہو گئی۔ اس نے ایک فوج گراں بسر کردگی بر گڈر نمبو جان جونسن روانہ کر دی۔ ۱۱ مئی ۵۸ء کو نیا گھاٹ پر شاہ صاحب نے روکنے کی کوشش کی' مورچے پر جمے رہے۔ شاہ صاحب کی امداد پر فیروز شاہ اور حضرت محل معہ اپنی بقیہ فوج کے آگئے۔ ۱۵ مئی ۵۸ء کو شاہ صاحب نے دھس پر سخت حملہ کیا مگر جونسن اپنی جگہ پر قائم رہا۔ ۱۸ مئی ۵۸ء سر کالن کمبل بریلی سے فوج لے کر آگیا۔ شاہ صاحب نے مناسب یہ سمجھا کہ ہمراہی خطرے میں پڑ جائیں۔ مقابل فوج مع سامان حرب کے بہت زیادہ ہے اور یہاں جانباز بے سروسامان صرف شوق شہادت اور وطن پرستی دامنگیر۔ لہٰذا قصبہ محمدی تشریف لے گئے۔

چند روزہ ہندوستانی حکومت:- محمدی پر شاہ صاحب نے قبضہ کیا۔ چاروں طرف دھس بندی کی اور اپنی حکومت پورے طور سے قائم کر دی۔ وزیر جنگ جنرل بخت خاں مقرر کیے گئے۔ قاضی القضاۃ سرفراز علی جونپوری' نانا راؤ پیشوا دیوان تھے۔

کونسل کے اراکین میں مولوی لیاقت علی الہ آبادی۔ ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی۔ مولوی فیض احمد بدایونی۔ شاہزادہ فیروز شاہ' باجبر شریک ہوئے۔ یہ خود تخت نشینی کے متمنی تھے اور اپنا حق سمجھتے تھے۔ مضروب ہو کے سکہ جاری ہوا۔

سکندر ہفت کشور خادم محراب شاہ حامیء دین محمدؐ احمد اللہ بادشاہ (26)

چھ ماہ ابھی شاہ صاحب برسراقتدار نہ ہوئے تھے۔ سر کالن کمبل نے قصبہ محمدی پر حملہ کر دیا۔ خوب خوب مقابلہ رہا مگر شاہزادہ فیروز کی باطنی اختلاف سے شاہ صاحب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور محمدی کو چھوڑنا پڑا۔ شاہ صاحب کے ہٹتے ہی مو خاں معہ حضرت محل اور نانا راؤ عظیم اللہ اور بخت خاں وغیرہ نیپال کی طرف چلتے ہوئے(27)۔ ۱۵ جون ۵۸ء کو شاہ صاحب پرگنہ پورئین میں راجہ بلدیو سنگھ کے کہنے سے نمودار ہوئے۔ تنہا ہتھنی پر سوار تھے۔ راجہ پورئین کی گڈھی پر تشریف لے گئے مگر بلدیو سنگھ کے بھائی نے پھاٹک بند کر دیا اور گڈھی پر سے گولیوں کی بوچھاڑ ایک ساتھ کر دی۔ سینہ چھلنی ہو گیا۔ راجہ بلدیو سنگھ نے سر مبارک جسم اطہر سے اتارا اور صاحب کلکٹر بہادر شاہجہانپور کے سامنے پیش کیا' جو عرصہ تک کوتوالی پر لٹکا رہا۔ نعش کو آگ میں پھونک دیا(28)۔ اس پر سرکار برطانیہ نے پچاس ہزار روپے نقد راجہ پورئین کو عطا کیا اور خلعت فاخرہ مرحمت ہوا(29)۔ یہ واقعہ شہادت ۱۵ جون ۵۸ء مطابق ۲ ذیقعدہ ۱۲۷۴ھ کو پیش آیا۔ دریا پار محلہ جہاں آباد متصل احمد پور مسجد کے پہلو میں سر دفن کیا گیا۔ مولوی سید طفیل احمد (علیگ) منگلوری نے کتبہ تاریخ نصب کرا دیا ہے۔ جرنیل ٹامسن جو ایک بہادر انگریز تھا اور ہنگامہ ۵۷ء میں شریک تھا شاہ صاحب کی بابت لکھتا ہے کہ:-

"مولوی احمد اللہ بڑی لیاقت اور قابلیت رکھتا تھا۔ وہ ایسا شجاع تھا کہ خوف اس کے نزدیک نہیں آتا تھا۔ یہ عزم کا پکا اور ارادے کا مستقل تھا۔ باغیوں میں اس سے بہتر کوئی سپاہی نہیں تھا۔ یہ فخر اسی کو حاصل ہے کہ اس نے دو مرتبہ سر کالن کمبل کو میدان جنگ میں ناکامیاب رکھا وہ بہ

نسبت اور باغیوں کے خطاب شاہ کا زیادہ مستحق تھا۔ اگر محب وطن ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اپنے ملک کی آزادی کے لئے جو غلطی سے برباد ہو گئی ہو سازشیں کی جائیں اور لڑائیاں لڑی جائیں تو مولوی یقیناً اپنے ملک کا محب صادق تھا۔ اس نے کبھی تلوار کو مخفی اور سازشی قتل سے خون آلود نہیں کیا۔ وہ بہادرانہ اور معززانہ طور پر اس سے معرکہ آراء ہوا، جنہوں نے اس کا ملک چھین لیا تھا۔ دنیا کی ساری قومیں اس کو تعظیم اور ادب کے ساتھ جو شجاعت و صداقت کے لئے لازمی تھیں اور جن کا مولوی مستحق تھا اس کو یاد کریں گی۔"

شاہ صاحب کے متعلق ایک شریف جرنیل کے مندرجہ بالا قیمتی الفاظ ہیں(30)۔

رفقاء :- امیر احمد، شاہ آفاق، قطب شہید، رستم علی، اسماعیل خاں، غلام محمد خاں، کفایت اللہ تلہری، فرقان علی، محمد شاہ خاں شہید، سعد اللہ خاں شہید، نور احمد، احمد یار خاں تحصیلدار، نواب غلام قادر خاں (بٹول) عبدالرؤف خاں۔ اکثر انڈمان بھیج دیئے گئے۔ کچھ کو دار نصیب ہوئی، کچھ گوشہ گیر ہو گئے۔

نہ شیشہ نہ مینا نہ ساقی رہا - فقط شکوۂ بخت باقی رہا (31)

علماء کا کارنامہ :- شاہ صاحب کے واقعات کے ساتھ وہ علماء جنہوں نے حکومت کمپنی سے عدم معاملات کر رکھا تھا اور یہ لوگ جنگ آزادی میں خود شریک ہوئے۔ اپنے فتاوے سے تحریک کو گرمایا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی نے تو اس تحریک میں عملی شرکت کی۔ ہنگامہ فرو ہو جانے کے بعد مولانا فضل حق خیر آبادی، مولوی عنایت احمد کاکوروی، مولوی لیاقت علی الہ آبادی، قاضی سرفراز علی جونپوری، مولوی کریم اللہ، سید اکبر زماں اکبر آبادی، منشی اسماعیل حسن منیر شکوہ آبادی، مرزا ولایت حسین ساکن باندہ وغیرہ کو بغاوت و شرکت ہنگامہ کے جرم میں

حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔ حضرت حاجی امداد اللہ مکہ ہجرت کر گئے۔ دوسرے حضرات کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۸۶۳ء و ۱۸۶۴ء میں محمد جعفر تھانیسری، مولانا احمد اللہ عظیم آبادی، مولانا یحیٰ علی، مولانا عبدالرحیم وغیرہ پر حکومت ہند کے خلاف سازش کرنے اور مجاہدین سرحد کی خفیہ امداد کرنے کے جرم میں انبالہ کا مشہور مقدمہ سازش چلایا گیا۔ ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ ان کو اول پھانسی پھر کچھ سوچ کر بعبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔ صادق پور (پٹنہ) کے مقامات مسکونہ اور ملزمین کی عمارتیں جوش انتقام میں کھود کر پھینک دی گئیں اور ان کی جگہ میونسپلٹی کی عمارتیں بنا دی گئیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ذرا ذرا سے شبے پر علماء کو قابل دار سمجھا گیا۔ سرسید احمد خاں نے ایک طرف علی گڑھ میں ۱۸۷۵ء میں مدرستہ العلوم کی بنیاد ڈالی، دوسری طرف علماء کی کارگزاری پر مصلحت وقت سے پردہ ڈالا اور علماء پر جو پابندیاں تھیں، ان سے انہیں نجات دلائی گئی۔ بلکہ سب سے بڑا ان کا کارنامہ یہ ہے کہ علمائے کرام کے ہاتھ حکومت برطانیہ سے ملوا دیئے اور ان کو سرکاری ملازمتوں میں منسلک کرا کر خطاب شمس العلماء اور خان بہادری سے نوازنے کی سعی بلیغ فرمائی۔ مگر سب کچھ تھا، پھر بھی سرپھرے مسلمان ہندوستان کی سیاست سے دلچسپی لیتے رہے۔ کانگریس ۱۸۸۵ء میں قائم ہوئی تو مولوی ہدایت الرسول اس میں شریک ہوئے۔ سید صاحب ان سے بگڑ بیٹھے اور ان کو قید فرنگ بھی بھگتنی پڑی۔ مگر مولانا فضل حق کے شاگرد مولانا فیض الحسن سہارنپوری کے شاگرد رشید مولانا شبلی نعمانی نے علی گڑھ میں بیٹھ کر وفادارانہ سیاست کے خلاف آواز اٹھائی اور مسلمانوں کو آزاد سیاست کی دعوت دی۔ مسلم گزٹ کے پر مغز، مدلل اور پرجوش مضامین تعلیم یافتہ طبقہ میں سیاسی بیداری کی روح پھونکنے میں ایک حد تک کامیاب رہے۔

مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خاں، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا احمد سعید وغیرہ مولانا شبلی کی سیاسی سرگرمی کے زندہ نمونہ ہیں۔ ہندوستان کی سیاست میں

ان حضرات کا جو پایہ ہے' اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مولوی عبدالقادر لدھیانوی نے کانگریس میں شرکت کے بارے میں فتویٰ شائع کیا تھا۔ اس میں بڑے بڑے اکابر علماء نے دستخط کئے۔ مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے بھی دستخط تھے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ۱۸۷۶ء میں عربیہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں قائم کیا۔ جہاں کے تعلیم یافتہ علماء میں مولانا محمود حسن دیوبندی' مولانا عبیداللہ سندھی' مولانا حسین احمد مدنی' مولانا احمد سعید دہلوی' مفتی محمد کفایت اللہ' مولانا حفظ الرحمٰن' مولانا محمد میاں وغیرہ کی خدمات' روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ علی گڑھ اور دیوبند کے بعد علماء فرنگی محل میں سے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی گراں قدر خدمات سیاسی کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح مسیح الملک حکیم اجمل خاں' ڈاکٹر انصاری' مولانا محمد فاخر الہ آبادی' مولانا عبدالماجد بدایونی' مولانا محمد سجاد بہاری' مولانا آزاد سبحانی وغیرہ نے جو کچھ سیاسی خدمات انجام دی ہیں وہ بھی ناقابل فراموش ہیں۔

تذکرہ علمائے جنگ آزادی

۱۸۵۷ء میں علماء نے جو سرگرمی عمل دکھائی تھی اور ان کے ہمنوا نواب' راجے' امراء اور فوجی رسالدار صوبیدار تھے جن کا کتاب ہذا میں اکثروبیشتر ذکر آ ہی چکا ہے مگران کے تفصیلی حالات تشنہ طلب ہیں اس لئے تذکرہ زیر تحت ان کے حالات سیاسی پر اور روشنی ڈالی جاتی ہے۔

مولانا فضل حق خیر آبادی

مولانا فضل حق ابن مولانا فضل امام خیر آبادی نبیرہ قاضی صدر الدین فاروقی ہر گامی' مولانا ۱۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔

مولانا فضل امام دہلی میں صدر الصدور تھے۔ ان سے ہی علوم عربیہ تحصیل کئے اور علوم عقلیات کی تکمیل کی اور حدیث کی سند شاہ عبدالقادر دہلوی سے لی۔ تیرہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ درس و تدریس میں لگا دیئے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ریڈیڈنسی کے محکمے میں سرشتہ دار ہو گئے۔ پھر کمشنری میں بدل گئے۔ یہ زمانہ تھا کہ مولانا محمد اسماعیل شہید اور مولانا سید احمد شہید نے بدعات کے خلاف آواز اٹھائی۔ مولانا فضل حق اور حضرت شہید سے مناظرہ امتناع نظیر' امکان نظیر وغیرہ شروع ہو گئے۔ ایک عرصہ تک یہ ہنگامہ آرائی رہی۔ سید صاحب اور اسماعیل شہید سکھوں کے مقابلے کے لئے سرحد تشریف لے گئے۔ مولانا نے حکام کا طریقہ خلاف مرضی پایا' مستعفی ہو گئے۔ نواب فیض محمد خاں رئیس جھجر کو جو معلوم ہوا' اس نے پانچ سو روپے ماہوار مصارف کے لئے پیش کیا اور قدر دانی کے ساتھ اپنے پاس بلایا۔ دہلی سے روانگی کے وقت ولی عہد سلطنت صاحب عالم مرزا ابو ظفر نے اپنا ملبوس دو شالہ علامہ فضل حق کو اوڑھایا اور بوقت رخصت آبدیدہ ہو کر کہا' چونکہ آپ جانے کے لئے تیار ہیں' میرے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ میں بھی اس کو منظور کر لوں۔ مگر خدا علیم ہے کہ لفظ وداع دل سے زبان پر لانا دشوار ہے(32)۔ علامہ ایک عرصے تک نواب جھجر کے پاس رہے۔ پھر مہاراجہ الور کے یہاں چلے گئے۔ یہاں سے سہارنپور گئے' پھر ٹونک میں نواب وزیر الدولہ نے بلا لیا۔ آخر میں لکھنؤ چلے آئے۔ یہاں صدر الصدور کے عہدے پر سرفراز ہو گئے۔ مولانا ایک عرصہ تک رام پور میں نواب یوسف علی خاں کے اتالیق اور محکمہ نظامت اور پھر مرافعہ عدالتین پر مامور

رہے۔ مولوی احمد اللہ شاہ کے ملنے کے بعد ۱۸۵۶ء میں الور چلے گئے۔

سیاسی زندگی:- مولانا فضل حق نے آنکھ کھولی' اکبر شاہ ثانی کا عہد تھا۔ ابوظفر کی تخت نشینی سامنے ہوئی' جو واقعات گزرے وہ سب آنکھوں سے دیکھتے ہوئے' جیسا اوپر ذکر کیا گیا۔ خود بھی ایک عرصے تک انگریزی حکومت کے معزز عہدے دار تھے۔ ہر بات کا پتہ رہتا تھا۔ ڈلہوزی کی پالیسی کو بروئے کار لانے کی سعیء پیہم جاری تھی۔ یہ ضرور ہے ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط کافی تھا مگر عمال حکومت ہندوستانی کلچر کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ تبلیغ عیسویت کا ڈنکا بجنے لگا۔ عیسوی مناد کی دریدہ دہنی کا شکار مقامی مذاہب ہو رہے تھے۔ اسلام بھی لپیٹ میں تھا اور ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی اور پادری فنڈر کے مناظرے سے ان دنوں ہل چل سی مچ گئی تھی۔ عوام کو خیال ہونے لگا تھا' حکومت تو گئی ہے مگر دین و مذہب پر بھی ہاتھ صاف ہونے لگا۔ رہی سہی اسلامی شان و شوکت اگر یہی حال رہا تو کچھ عرصے بعد جایا ہی چاہتی ہے۔ مولانا کی جوانی ادھیڑ پن دہلی میں گزرا' آخری عمر میں لکھنؤ گئے۔ وہاں کی حالت دہلی سے بھی بدتر دیکھی۔ مسلمان بادشاہ' واجد علی شاہ نام نہاد تھا۔ اس نے تو بالکل لٹیا ہی ڈبو دی۔ مسجد ہنومان گڑھی شہید ہوئی۔ مسلمان مجاہد بیراگیوں کے ہاتھوں خاک و خون میں ملائے گئے۔ امیر علی شاہ کو خود اپنی فوج سے توپ دم کرایا۔ مجاہدین بھی سرکاری فوج کے ہاتھوں کشتہ کرائے گئے۔ واجد علی کو عیش و عشرت کی پڑی تھی۔ ناموس اسلام کی تباہی اور ذلت سے غرض ہی نہ تھی۔ مولانا نے اس کا اثر لیا اور شاہ صاحب کے مشورہ پر عمل کیا۔ آخرش ۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ حکومت سے علیحدہ کر دیئے گئے۔ الور میں مولانا' راجہ کے پاس کچھ عرصہ رہے مگر دل بے چین تھا۔ ملک کی عام حالت نے مجبور کیا کہ جان سپاری سے کام لیا جائے۔ ادھر ہنگامہ بپا ہوا۔ دہلی سے خط راجاؤں کے نام بھی گئے۔ مولانا کو بھی علم ہوا(33) راجہ سے گفتگو ہوئی مگر وہ رام نہ ہوا۔ یہ تنہا چل دیئے۔ جس طرف سے گزرتے زمینداروں کو تلقین کرتے ہوئے چلتے۔ غرض کہ ۱۶ اگست ۱۸۵۷ء کو دلی پہنچے۔ عام

شورش کا سبب نواب اودھ کی معزولی' بہادر شاہ کو نام نہاد خطاب شاہی سے محروم کرنے کے مشورہ۔ گو یہ ضرور تھا کہ دلی اور اودھ کی بادشاہت چھن گئی تھی لیکن دلوں پر ابھی ان کی ہی حکومت تھی۔ بادشاہ تمدنی اور معاشرتی زندگی کا مرکز تھا اور راجہ و پرجا میں ایک رشتہ تھا۔ کمپنی کے عمال کی بدعہدی' خود غرضی اور بدنیتی نے فرنگیوں کو بالکل بے نقاب کر دیا تھا۔ عوام اعراض کرنے لگے تھے تو خواص کا کیا عالم ہو گا۔ دیسی بدیسی کی کشمکش کی وہ بڑی زبردست ٹکر تھی جو بالکل فطری تھی اور آخر مئی ۱۸۵۷ء کو دل کا غبار آتش فشاں بن کر پھوٹ نکلا۔ اس عوام کی بے چینی کا اثر مولانا پر بھی پڑے بغیر نہ رہا۔ وہ ایک فلسفی دماغ رکھتے تھے۔ وقت سے انہوں نے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ دلی آتے ہی قلعہ میں گئے۔ بہادر شاہ سے اگلی راہ و رسم تھی۔ بادشاہ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ علامہ نے ایک اشرفی نذر کی(34)۔ موجودہ صورت حال کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔ بادشاہ کی امنگیں ختم تھیں۔ دوسرے شہزادوں کی لوٹ کھسوٹ اور تخت شاہی کی تمنائیں' باہمی رقابت کا میدان گرم کئے ہوئے تھیں۔ مولانا عمائدین شہر سے ملے۔ ان میں دو گروہ تھے۔ ایک بادشاہ کا ہمنوا' دوسرا حکومت کمپنی کا بہی خواہ۔ فوجوں کا جائزہ لیا۔ ہنگامیوں کی حالت دیکھی۔ ہر ایک طلب زر کا متمنی۔ مگر ایک ہستی ایسی بھی تھی جو ایک مقصد کو لئے ہوئے جان پر کھیل رہی تھی۔ وہ گروہ مجاہدین کا تھا۔ ان کے ہمنوا روہیلہ تھے۔ یہ لوگ جنرل بخت خاں سردار روہیلہ کی زیر کمان تھے۔ مولانا کی خبر سن کے جنرل بخت خاں ملنے آئے۔ چنانچہ مولانا نے آخری تیر' ترکش سے نکالا۔ جمعہ کے روز' جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی اور استفتاء پیش کیا۔ مفتی صدر الدین خاں جز بز ہوئے۔ مولوی عبدالقادر۔ قاضی فیض احمد بدایونی۔ ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی۔ مولوی سید مبارک شاہ رامپوری وغیرہ نے دستخط کر دیئے مگر مفتی صاحب بالخیر کو بالجبر لکھ گئے۔ اس فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی(35)۔ جنرل بخت خاں جس طرح مقابلہ کرنا چاہتا تھا' مرزا

مغل آڑے آتا تھا۔ مرزا الٰہی بخش نے بادشاہ سے سرکار میں معافی کا خط بھی بھجوایا کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ ادھر مرزا مغل نے فوج میں پھوٹ ڈال دی۔ جنرل بخت خاں سے لوگ بگڑ گئے۔ آخر اس چپقلش کا نتیجہ یہ ہوا کہ کمپنی کی فوج دلی پر فتحیاب ہوئی اور اس کا اقتدار قائم ہو گیا۔ مرزا مغل وغیرہ گولی کا نشانہ بنے۔ بادشاہ قید کئے گئے۔ جنرل بخت اپنی فوج اور توپ خانہ کو نکال لے گئے۔ بادشاہ سے کہا' آپ میرے ساتھ چلئے مگر وہ زینت محل اور مرزا الٰہی بخش کے ہاتھ میں تھے۔ آخر جنرل نے لکھنؤ کا راستہ لیا۔ ڈاکٹر وزیر خاں' مولوی فیض احمد وغیرہ سب لکھنؤ چلے آئے۔ مولانا وطن چلے گئے۔ متسلطہ حکومت برطانیہ نے باغیوں پر مقدمے دائر کئے۔ اس لپیٹ میں مولانا بھی آئے۔ چنانچہ ۱۸۵۹ء میں سلطنت مغلیہ کی وفاداری یا فتویٰ جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت میں مولانا ماخوذ ہو کر سیتا پور سے لکھنؤ لائے گئے۔ مقدمہ چلا' مولانا موصوف کے فیصلہ کے لئے جیوری بیٹھی۔ ایک اسیسر نے واقعات سن کر بالکل چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ وکیل سرکاری کے مقابل خود مولانا بحث کرتے تھے بلکہ لطف یہ تھا کہ چند الزام اپنے اوپر خود قائم کرتے اور خود ہی مثل تار عنکبوت عقلی و قانونی سے توڑ دیتے۔ جج یہ رنگ دیکھ کر دنگ تھا۔ جج نے صدر الصدوری کے عہد میں مولانا سے کچھ عرصہ کام بھی سیکھا تھا۔ وہ مولانا کی عظمت اور تبحر علمی سے واقف بھی تھا۔ وہ دل سے چاہتا تھا کہ مولانا بری ہو جائیں۔ اسے ہمدردی تھی۔ اس وقت تک مولانا پر جرم بھی ثابت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بری کرنا چاہتا تھا۔ سرکاری وکیل لاجواب تھے۔ چنانچہ پیروکار مقدمہ منشی کرم احمد خیر آبادی نے لکھنؤ سے سید اعظم علی خیر آبادی کے نام خیر آباد خط لکھا کہ :-

"مدت یک دوروزاست کہ جناب مخدوم والا خوان بحسب تقریر مبتلائے حبس شدہ از سیتاپور بہ لکھنؤ برائے روبکاری صفائی روانہ کردہ شدہ زبانی آئندہ برگاہے ہم از تحریرات اینجا ہر روزہ منکشف میشود کہ امروز فردا بفضلہ تعالیٰ رہائی خواہد شد روز بنا برادائے شہادت صفائی مولوی فضل حق

صاحب مکرم مولوی نبی بخش مشفقی مولوی قادر بخش صاحب و برخوردار مولوی سید ضامن حسین بموجب درخواست (شمس العلماء) مولوی عبدالحق بمعیت ایشان روانہ لکھنؤ شدہ اندو ہمگیان را امید از خدائے کریم است دیگر روز بلفعدا مخلصی یافتہ وارد دولتخانہ خواہد شد اوتعالیٰ ہم رحم کند ہمہ ہا از خورد و کلاں و ذکورو اناث چشم براہ انتظار کشادہ میبا شندو رنج و قلق عظیم دارند ایزد جل و علیٰ بر جمع کساں چنیں خود فرماید۔"

دوسرا دن آخیر دن تھا۔ مولانا نے اپنے اوپر کے بقیہ الزام رد کرنے کے بعد پھر پلٹا کھایا اور کہا۔ جس مخبر نے فتوے کی خبر کی اس کے بیان کی اب میں توثیق کرتا ہوں۔ میرا ہی لکھا ہوا ہے اور میرے ہی مشورے سے علماء نے دستخط کئے۔ پہلے اس گواہ نے سچ رپورٹ لکھوائی تھی مگر اب عدالت کے سامنے میری صورت سے مرعوب ہو کے جھوٹ بولا ہے۔ مجھے خدا کے حضور جانا ہے۔ غلط بات مذہب کے مسئلے میں نہیں بول سکتا۔ جج اس بیان سے پریشان ہو گیا۔ گھڑی گھڑی مولانا کو روکتا تھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ رنگ دوسرا ہو چکا تھا۔ جج کو رعایت کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔ بصد رنج و غم حبس دوام بعبور دریائے شور کا حکم سنایا۔ مولانا نے بڑی مسرت سے حکم کو منظور کیا۔

"برادر من تادہ عشرہ بسبب عدم بھمرسی حال ایں رقعہ افتادہ ماند حالیہ اومی خاص مقرر کردہ فرستادہ می شد کہ جواب شافی یا بدوحال پرملال جناب مولوی فضل حق صاحب از لکھنؤ دریں عرصہ نوشتہ الا لائق گریستن وا ویلا کردن است یعنے حبس دوام از پیشگاہ حکم صد دریافت فواویلاہ و احسرتا اوتعالیٰ رحم فرماید۔(سیر العلماء)

(محررہ بستم فروری مطابق ۱۷ رجب ۱۲۷۵ھ)

آخرش مولانا انڈمان روانہ ہو گئے۔ ادھر مولوی شمس الحق دہلوی اور علامہ کے قریبی عزیز خان بہادر مفتی انعام اللہ شہابی گوپاموی کے داماد خواجہ غلام غوث

خان بہادر ذوالقدیر بے خبر میر منشی لیفٹیننٹ گورنر مغربی و شمالی کی معاونت سے اپیل کر دی۔ مرزا غالب یوسف مرزا کو لکھتے ہیں:۔

"مولانا (فضل حق) کا حال کچھ تم سے مجھ کو معلوم ہوا' کچھ مجھ سے تم معلوم کرو۔ مراسلہ حکم دوام حبس بحال رہا بلکہ تاکید کی گئی کہ جلد دریائے شور کی طرف روانہ کرو۔ چنانچہ تم کو معلوم ہو جائے گا ان کا بیٹا ولایت میں اپیل کیا چاہتا ہے۔ کیا ہوتا ہے جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔"

جہاں داد خاں سیاح' سیر کرتے ہوئے کلکتہ پہنچے تو مرزا غالب نے انہیں لکھا(۴ اکتوبر ۱۸۶۱ء)

"ہاں! خاں صاحب آپ جو کلکتہ پہنچے ہو اور سب صاحبوں سے ملے ہو تو مولوی فضل حق کا حال اچھی طرح دریافت کر کے مجھ کو لکھو کہ اس نے رہائی کیوں نہ پائی۔ وہاں جزیرے میں اس کا کیا حال ہے۔ گزارا کس طرح ہوتا ہے۔"

انڈمان:۔ مولانا کو انڈمان میں خدمت بہت ذلیل سپرد کی گئی تھی۔ بارکوں کی صفائی کیا کرتے (بقول مولانا عمر البخاری)

جیل سپرنٹنڈنٹ ایک شریف انگریز تھا۔ مشرقی علوم کا دلدادہ تھا۔ فن ہیئت و نجوم میں اس کو درک خاص تھا۔ اس کی پیشی میں ایک سزا یافتہ مولوی تھے۔ اس نے اپنی مصنفہ کتاب ہیئت جو فارسی میں اس نے لکھی تھی' مولوی صاحب کو عبارت درست کرنے کے لئے دی۔ مولوی صاحب سے یہ کام نہ چلا تو علامہ کے پاس مولوی صاحب کتاب لے آئے اور جو ماجرا گزرا تھا وہ عرض کر دیا۔ مولانا نے وہ کتاب لے لی اور ایک ہفتے میں مفید اضافے اور حاشئے اس کے لکھ کے اور درست کر کے مولوی صاحب کو دے دی۔ وہ کتاب لے کے سپرنٹنڈنٹ جیل کے پاس گئے۔ اس نے کتاب دیکھ کے مولوی صاحب کی بڑی داد دی۔ مولوی صاحب مسکرا دیئے۔

سپرنٹنڈنٹ بولا۔ مولوی صاحب ہماری بات پر کیوں ہنستے ہو۔ وہ بولے' حضور یہ میرا کارنامہ نہیں ہے بلکہ مولانا فضل حق کا ہے جو غدر کے سلسلے میں آئے ہیں۔ اس وقت سپرنٹنڈنٹ مولوی صاحب کو لے کے مولانا کے ٹھکانے پر آیا۔ علامہ نہ تھے وہ انتظار کرتا رہا دیکھا ایک شخص ٹوکرا بغل میں دبائے چلا آ رہا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا یہی مولانا فضل حق ہیں سپرنٹنڈنٹ یہ ہیئت دیکھ آنکھوں میں آنسو لے آیا اور مولانا سے معذرت کی اور اپنی پیشی میں لے لیا اور احترام سے پیش آیا کرتا تھا اور ان کے فضل و کمال کا واسطہ دے کے گورنمنٹ میں سفارش کی۔

وفات :- ادھر علامہ کے صاحبزادے نے ولایت میں اپیل کر رکھی تھی۔ خان بہادر ذوالقدر خواجہ غلام غوث بے خبر نے اپنے پرانے عنایت فرما لیفٹیننٹ گورنروں کو لکھا پڑھا تھا۔ آخرش پروانہ آزادی آگیا اور مولوی شمس الحق انڈمان روانہ ہو گئے۔ جب جہاز سے جزیرے میں اترے' شہر میں گئے تو ایک جنازہ نظر آیا۔ اس کے ساتھ ہزارہا آدمی تھے' بڑا اژدھام تھا۔ حکام وغیرہ سب ساتھ تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ لوگوں نے بتایا مولانا فضل حق خیر آبادی ہیں۔ کل ۱۲ صفر المظفر ۱۲۷۸ھ کو انتقال ہوا ہے۔ اب پیوند خاک کرنے کے لئے جنازہ (بزبانی ذہنی قاضی محتشم الدین دہلوی ناشر تعلیم غوثیہ و تذکرہ غوثیہ۔ یہ واقعہ راقم السطور نے ان سے سنا تھا) لے جا رہے ہیں۔ آخرش مولوی شمس الحق اپنے ہاتھوں باپ کو سپرد خاک کرکے وطن لوٹ آئے۔

نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ دہلوی

عظیم الدولہ سرفراز ملک نواب مصطفیٰ خاں ابن نواب مرتضیٰ خاں بہادر مظفر جنگ والیء جہانگیر آباد ۱۸۰۶ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی عربی کی مروجہ تعلیم میاں جی مالا مال دہلوی سے پائی۔ حدیث و قرات میں مولانا حاجی نور محمد دہلوی نقشبندی شیخ عبداللہ سراج حنفی مکی اور شیخ محمد عابد سندھی مقیم مدینہ منورہ سے استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ

مولوی کریم اللہ محدث سے بھی بعض علوم پڑھے۔ فی الجملہ تمام علوم رسمی و فنون متداولہ سے بخوبی واقف تھے۔ صاحب تصنیف ہیں۔ تذکرہ گلشن بے خار آپ کی یادگار ہے۔ خاندانی املاک پر قانع رہے۔

علمی چرچے و محفلیں :- ہنگامے سے قبل نواب صاحب کا قیام زیادہ دلی میں رہتا۔ نواب ضیاء الدین خاں نیر۔ مفتی صدر الدین خاں آزردہ۔ حکیم احسن اللہ خاں۔ مولوی امام بخش صبہائی۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب۔ سید غلام علی خاں وحشت۔ میر حسین تسکین۔ حکیم مومن خاں مومن، جیسے سخنوران باکمال کا اس شہر لطافت مہر میں جمگھٹا تھا۔ جب یہ لوگ مل کر بیٹھتے، شعرو سخن کا بھی شغل اور چرچا رہتا۔ ۱۸۴۷ء کا وہ زمانہ تھا کہ نواب صاحب و مفتی صاحب کے یہاں ہر ہفتہ باری باری سے مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔ ایک روز نواب صاحب کے یہاں مشاعرہ تھا، اس میں مفتی صاحب نے اپنی وہ مشہور غزل پڑھی، جس کا ایک شعر یہ ہے:-

یا تنگ نہ کرنا صبح نادان مجھے اتنا　　یا لا کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

نواب صاحب کے مزاحاً" مفتی صاحب کے چھیڑنے کو اس طرح میں ایک غزل ایسے شخص کو لکھ کر دے دی جس کا شمار سخنوران مشاہیر میں نہ تھا۔ مفتی صاحب کے بعد جس وقت اس نے اس غزل کو پڑھا، مفتی صاحب کی گھبراہٹ اور پریشانی قابل دید تھی۔

ہم بزمیء دشمن کا چھپانا ہی تھا قاصد　　کہتا ہے کسی سے کوئی ناداں خبر ایسی
کہتے ہو علاج آپ کریں کچھ خفقان کا　　دل کاہے کو رہویگا سنائی اگر ایسی

صبرو استقلال :- خواجہ حالی فرماتے ہیں کہ ایام غدر ۵۷ء میں جبکہ نواب صاحب مصیبت حبس میں بمقام میرٹھ تشریف رکھتے تھے، ایک مرتبہ بہت کوشش سے اپنے مہربان قدیم ٹرمیل صاحب کے پاس جو پہلے کلکٹر بلند شہر اور میرٹھ میں جج ہو کر آگئے تھے، یہ پیام بھجوایا کہ آپ کسی وقت آکر مجھ سے ملیں۔ صاحب نے جواب دیا کہ

میں علی الصبح آ سکتا ہوں۔ چنانچہ حسب وعدہ آئے۔ لیکن نواب صاحب اس وقت دوگانہ سنت ادا کر کے فریضہ کے تہیہ میں تھے کہ آدمی نے اطلاع کی۔ نواب صاحب نے نہایت اطمینان کے ساتھ نیت فریضہ باندھ لی اور حسب عادت سورۂ دہر پڑھی۔ اختصار گوارا نہ فرمایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر ٹرمیل بعد انتظار بسیار واپس گئے اور ایک ظاہر تدبیر ہاتھ سے جاتی رہی۔ مگر اس تدبیر کے فوت ہونے سے ان کے استقلال میں کچھ فرق نہیں آیا۔

تسلیم و رضا:- حاجی باسط علی ساکن کولی جو ایک دیندار اور ثقہ آدمی تھے۔ فرماتے ہیں کہ مصائب غدر میں ایک دن نواب مرحوم پیادہ پا محافظین کے ساتھ سڑک پر جاتے تھے۔ اس اثناء میں آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا "تیری شان کریمی کے قربان کہ اتنی ہی سزا دی ورنہ میں تو اس سے بہت زیادہ سزا کا مستوجب ہوں۔"

سیاسی زندگی:- تذکرہ نویسوں نے شاعرانہ حیثیت سے شیفتہ کو دیکھا اور ان کے دسترس سے بھی یہ سوانح باہر تھی۔ فی الحقیقت نواب شیفتہ اپنے عہد کے ملک و ملت کے بہی خواہ تھے اور ان شخصیتوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی کرنی میں کسر نہ رکھی۔ مگر قوم کی قسمت بگڑ چکی تھی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ عمال کمپنی بہادر نے جو روش اختیار کی تھی ملک گیری کے اعتبار سے اپنی جگہ صحیح تھی مگر آزادی کے اعتبار سے بے چینی کا سبب بنی۔ جاگیروں، ریاستوں، حکومتوں کی ضبطی نے ارباب ثروت و جاگیرداروں میں ایک مخالفت کی لہر پیدا کر دی تھی۔ ادھر ہنگامہ جو برپا ہوا، تمام جاگیردار بادشاہ دلی کے ہم نوا بن گئے۔ نواب شیفتہ کے ہرشتہ رئیسوں نے نواب کو اپنا اگوا کیا۔ رؤسا میں سب سے بڑی شخصیت ولی داد خاں رئیس مالاگڑھ کی تھی۔ ان کے پرچم کے تلے غلام حیدر خاں زمیندار پونڈری۔ سید نبی بخش سہارنپوری۔ قاضی وزیر علی بلند شہری۔ عبداللطیف خاں رئیس خاں پور۔ اسماعیل خان۔ اعظم خاں۔ نواب مصطفیٰ خاں، آ جمع ہوئے۔ ولی داد خاں مذکور کی بھانجی بادشاہ دلی کے

ایک شہزادہ سے منسوب تھی۔ شیفتہ کے متعلق بادشاہ سے خط و کتابت کرنا تفویض تھی۔ چنانچہ ہنگامہ ہونے پر ولی داد خاں نے اپنے علاقے میں بڑی سرگرمی دکھائی مگر پانسہ الٹا پڑا۔ بعد تسلط ہر ایک باغی قرار دیا گیا۔ کسی کو حبس دوام ہوئی۔ کوئی سات برس کے لئے قید ہوا۔ شیفتہ کو بھی سات برس کی قید فرنگ ہوئی۔ نواب صدیق حسن خاں شوہر نواب شاہجہاں بیگم صاحب والیٔ بھوپال نے بڑی کوشش کے بعد ان کو رہا کرا دیا۔ دلی کا رہنا چھوڑ دیا تھا۔ اپنی جاگیر پر زیادہ قیام رہتا۔

وفات :- ۶۳ سال کی عمر ہونے کو ہوئی۔ پیک اجل آ پہنچا۔ ۱۸۰۹ء میں حضرت محبوب الٰہی کی خانقاہ میں دفن ہوئے۔

قطعہ تاریخ وفات

چو رفت از جہاں مصطفیٰ خاں امیر　　کہ بود اصل پاکیزہ و پاک فرع
خداوند تقویٰ خداوند زہد　　فقیر آشنا سالک راہ شرع
نشد از فوت ایں بے سروپا تمام　　وفاء کرم بہ ولی و تقویٰ وداع (36)
۱۲۸۶ھ

مفتی صدر الدین خاں آزردہ

مفتی صدر الدین آزردہ ابن مولوی لطف اللہ کشمیری ۱۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے ابتدائی درسی کتب پڑھیں۔ معقول کی تحصیل مولانا فضل امام خیر آبادی سے کی۔ حدیث حضرت شاہ عبدالقادر سے پڑھی۔ بعد تحصیل علم کمپنی کی طرف سے صدر الصدور کئے گئے اور عہدۂ افتاء بھی ملا۔ شاہجہانی عہد سے زیر جامع مسجد مدرسہ دارالبقا چلا آ رہا تھا' وہ سلطنت کی تباہی کے ساتھ برباد ہوا۔ مفتی صاحب نے اپنے روپے سے دوبارہ بنوایا۔ عمارت درست کرائی۔ درس و تدریس کا اہتمام

کیا۔ اساتذہ اور طلباء کو اپنے پاس سے تنخواہ و وظیفہ دیتے۔ منتہی طلباء کو عدالت کے کام سے فارغ ہو کے اسباق خود پڑھاتے اور تعطیل کے دن سب طلباء کو لے کر خود باغات کی سیر کراتے اور وہیں لذیذ کھانے کھلاتے تھے۔ حکیم عبدالحیٔ مرحوم "گل رعنا" میں لکھتے ہیں:-

"جناب آرزدہ مرحوم ان چند اشخاص میں سے تھے جنہوں نے اعلیٰ درجے جامع قابلیت و فضیلت کے باوجود ملک میں بھی اپنی اعلیٰ استعداد کا سکہ بٹھا دیا۔ خود آپ' اپنے زمانے کے مشاہیر میں سے تھے اور نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ علماء کی مجلس ہو تو صدر نشین' مشاعرہ ہو تو میر مجلس' حکام کے جلسوں میں مؤقر و ممتاز' بیکسوں اور محتاجوں کے ملجا و ماویٰ' منصب اعلیٰ پر ممتاز و حکام رس ہونے کے باوجود آپ کی طبیعت ظاہری نمائش سے کوسوں دور تھی۔ دنیاوی آسائش کے تمام سامان بہم ہوتے ہوئے سیدھی سادھی وضع سے بسر کرتے تھے۔"

سیاسی مسلک:- مفتی صاحب سرکاری آدمی تھے۔ اختر لونی کے ہمراہی میں ریاستوں کے معاملات بھی سلجھا چکے تھے۔ دلاور جنگ مولوی احمد اللہ شاہ دلی آئے اور آپ سے بھی ملے۔ کچھ اثر پذیر ہوئے' مگر بزدلی کے ساتھ۔ ان کے ہم سبق مولانا فضل حق خیر آبادی نے فتویٰ جہاد دیا۔ جنرل بخت خاں نے اس سے زندگی پیدا کرنا چاہی۔ ان سے بھی دستخط لئے اور علماء نے بھی تصدیق کی مگر بالخیر کو ایسے لکھا کہ بالجبر پڑھا جائے۔ مگر مفتی صاحب بعد ہنگامہ پکڑے گئے اور سزا بھی ہو گئی وہیں بیٹھے ترکیب بند لکھ ڈالا' جس کا ایک شعر یہ ہے:-

پھنسے بے ڈھب الٰہی دیکھئے کیسی بنے　　　مر رہے ہیں سب الٰہی دیکھئے کیسی بنے

پیروی مقدمہ میں بیان دیا' مفسدوں نے زبردستی دستخط کرا لئے۔ بالجبر میں نے لکھا ہے۔ کاغذات بر آمد ہوئے تو پڑھا گیا اور مفتی کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ چنانچہ چھوڑ دیئے گئے۔

مرزا غالب نے اپنے ایک خط میں حضرت آزردہ کے قید ہونے کی تفصیل لکھی ہے "حضرت مولوی صدر الدین صاحب بہت دن حوالات میں رہے۔ کورٹ میں مقدمہ پیش ہوا۔ روبکاریاں ہوئیں۔ آخر صاحبان کورٹ نے جان بخشی کا حکم دیا۔ نوکری موقوف' جائیداد ضبط۔ ناچار خستہ و تباہ حال لاہور گئے۔ فنانشل کمشنر اور لیفٹیننٹ گورنر نے ازراہ ترحم نصف جائیداد واگذاشت کی۔ اب نصف جائیداد پر قابض ہیں۔ اپنی حویلی میں رہتے ہیں۔ اگرچہ یہ امداد ان کے گزارے کو کافی ہے اس واسطے کہ ایک آپ اور ایک بیوی تیس چالیس روپے مہینے کی آمدنی۔ لیکن امام بخش کی اولاد ان کی عترت میں ہے اور وہ دس بارہ آدمی ہیں۔ فارغ البالی سے نہیں گزرتی۔ ضعف پیری نے بہت گھیر لیا ہے۔ عشرہ ثامنہ کے اواخر میں ہیں یعنی اسی برس کے قریب عمر ہے خدا سلامت رکھے بہت غنیمت ہیں۔"

جامع مسجد دہلی :- جامع مسجد غدر میں انگریزوں کے قبضے میں آگئی تھی یہ مقدس عمارت' فوجی ہسپتال کے کام میں تقریباً" دو سال تک رہی۔ مسلمانان دہلی فریضہ نماز کی ادائیگی سے محروم تھے۔ جب دلی میں امن چین ہو گیا تو مفتی صاحب نے عمائد شہر کی ہمنوائی میں مسجد کی واگذاشت کی سعی کی۔ آپ کے شرکاء میں سے شاہی خاندان کے فرد مرزا الٰہی بخش بھی تھے۔ چنانچہ گورنمنٹ نے یہ مسجد مسلمانوں کے حوالے کر دی اور اس کی ایک انتظامیہ کمیٹی بنا دی۔ مفتی صاحب بھی ایک رکن تھے(37)۔

حلیہ :- گداز جسم۔ سانولا رنگ۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں' ذرا اندر کو دھنسی ہوئی۔ بڑھی ہوئی داڑھی۔

لباس :- سادی وضع کے آدمی تھے۔ ظاہری نمائش سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے۔ لباس سفید' ایک برکا پاجامہ سفید کرتا' سفید ہی صافہ ہوتا تھا۔

شاگرد :- نواب صدیق حسن خاں۔ نواب یوسف علی رام پوری۔ سرسید احمد خاں۔ مولوی ذوالفقار علی دیوبندی۔ مولوی فیض الحسن۔ مولوی حکیم محمد حسن امروہوی۔

مولوی احمد حسین مراد آبادی۔ مولانا سید نواب مکی۔

وفات :- اکیاسی برس کی عمر پا کر ۱۱ دسمبر ۱۸۶۷ء کو فالج گرا۔ کچھ عرصہ علیل رہ کر ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ کو راہی ملک بقا ہوئے۔ درسگاہ حضرت چراغ دہلی میں دفن ہوئے۔ (مفصل حالات غدر کے چند علماء میں ہیں)۔

مولوی ظہور علی المخاطب بہ شمس الشعراء نے تاریخ وفات یہ لکھی:-

چو مولانائے صدر الدین کہ در عصر — امام اعظم آخر زماں بود
زہے صدر الصدور نیک محضر — بعدل وداد چوں نہ جائے جاوداں بود
بروز پنجشنبہ کرد رحلت — کہ ایں عالم نہ جائے جاوداں بود
ربیع الاول و بست و چہارم — وداع رو سوئے دار رجہاں بود
ظہور افسوس ان اوستاذی قدر — پدر دارم ہمیشہ مہرباں بود
چراغش ہست تاریخ ولادت — کنوں گفتم چراغ دو جہاں بود (38)

۱۲۸۵

خان بہادر خاں

نواب خان بہادر خاں، نبیرۂ حافظ الملک حافظ رحمت خاں روہیلے ایک عرصے تک صدر الصدور کے عہدے پر سرفراز رہے۔ ہنگامے میں بریلی کے والی بنے۔ بعد تسلط حکومت برطانیہ گرفتار ہوئے۔ پھانسی لگی اور جیل خانے کے صدر دروازے کے درمیان میں دفن ہوئے۔ مفصل حالات حیات حافظ رحمت خاں(39) اور "غدر کے چند علماء" میں درج ہیں۔

سید اکبر زماں اکبر آبادی

سید اکبر زماں ابن سید امیر زماں، نبیرۂ سید حسین زماں اکبر آبادی، سید حسین زماں کے بھائی، سعید حسن زماں کے پوتے، سید منور زماں تھے۔ انہی کی یادگار مسجد

پیر چھنگا ہے۔

سید اکبر زماں نے فارسی' عربی کی رسمیہ تعلیم پائی۔ شعرو شاعری سے بھی ذوق تھا۔ مجید تخلص کرتے تھے۔ آگرہ کالج میں کچھ عرصے مدرس رہے۔ پھر ہیڈ مولوی ہو گئے۔ آخر میں قلعہ آگرہ میں فوجی محکمہ میں میر منشی مقرر ہوئے۔ دلاور جنگ احمد اللہ شاہ کی خدمت میں بھی باریاب تھے۔ شاہ صاحب لکھنؤ سدھارے۔ میر منشی پر یہ آفت آئی کہ ہنگامہ ۵۷ء میں رونما ہوا۔ تمام انگریز قلعہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ افغان سپاہیوں نے ان کو اغواء کیا۔ یہ پیش پیش تھے۔ ادھر لال بہادر خاں میواتی صوبہ دار الوری' آگرہ پر حملہ آور ہوا۔ انگریزی فوج کالی ندی پر پسپا ہوئی۔ یہ آگرے تک آیا۔ قلعہ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ سکندر خاں خانسامہ لئے جو گھسیارے کی شکل میں امر سنگھ گیٹ پر کھڑا تھا' لال بہادر خاں سے کہا کہ سب انگریز ابھی متھرا کی طرف گئے۔ ان کو میں نے جاتے دیکھا ہے۔ لال بہادر خاں نے شہر پر قبضہ کیا۔ چار دن اس کی حکومت رہی۔ آخرش انگریزی فوج نے گھیر لیا۔ یہ سب میوات چلتے ہوئے۔ سید اکبر زماں اندور چل دیئے۔ جب انگریزی تسلط آگرے پر کافی ہو گیا' آموجود ہوئے۔ خیال یہ ہوا کہ چل کر قلعے میں پھر نوکری کر لی جاوے۔ یہ قلعہ جا رہے تھے' مزار غوث پر ایک مجذوب بیٹھا ہوا تھا' اس نے کہا' سید کہاں جاتا ہے؟ سر اور پیر میں لوہا مجھ کو نظر آتا ہے۔ یہ نہ سمجھے۔ قلعہ میں داخل ہو گئے۔ اس وقت وہی افسر موجود تھے' جس کے سامنے افغانیوں کے ساتھ قلعہ سے نکلے تھے۔ ان کی صورت دیکھتے ہی فوراً" گوروں کو حکم دیا' اس کو پکڑ لو یہ باغی ہے۔ آخرش مقدمہ چلا حبس دوام .عبور دریائے شور کی سزا ملی۔ بہ مجبوری انڈمان گئے وہاں بیس برس رہے۔

پنڈت سالک رام ہیڈ کلرک تھے۔ انہوں نے اکبر زماں سے پوچھا کہ آگرے میں ڈپٹی منور زماں تھے' ان کو بھی جانتے ہو؟ یہ بولے' وہ میرے چچا تھے۔ اس نے ان کو اپنی پیشی میں لے لیا اور قیدیوں کے پڑھانے پر پانچ روپے ماہوار دیا کرتا۔ کچھ عرصہ بعد ستر روپے ماہوار ملنے لگے۔ محمد جان نامی بہشتی زادہ آگرے کا نوعمر لڑکا تھا'

اس کو خدمت میں لے لیا۔ کافی رقم پیدا کی۔ مولانا جعفر تھانیسری جب انڈمان گئے تو اکبر زماں نے ان کی بے حد خدمت کی۔ جس کا ذکر انہوں نے اپنی تصنیف کالا پانی میں کیا ہے۔ جب بیس سال گزر گئے اور ان کو رہائی ملی تو سب مال و دولت چھوڑ کر آگرے آگئے اور ٹیوشن پر زندگی گزارنے لگے۔ آخیر میں نابینا ہو گئے تھے' مگر حافظہ صحیح تھا۔ مولانا مظفر علی شاہ کے مرید تھے۔ آخر عمر میں فقر کا رنگ غالب تھا۔ ۱۹۰۴ء میں عمر طبعی پا کر انتقال کیا اور کربلا کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ ان کا کلام مولوی محمد علی شاہ میکش اکبر آبادی کے پاس ہے۔

جنرل بخت خاں روہیلہ

بخت خاں کی شخصیت جو کچھ ہو مگر اس کے ارادے بلند ضرور تھے۔ وہ اپنی بساط بھر آخری شاہ مغلیہ کی مدد ایسی کرنا چاہتا تھا کہ وہ مغلیہ حکومت کا کھویا ہوا وقار نئے سرے سے واپس آ جائے مگر اس کی تدابیر بادشاہ ابوالظفر اور اس کے اہل خاندان کے ہاتھوں پامال ہوئیں' ورنہ آج اس کے کہنے پر عمل ہو جاتا تو بساط ہی دوسری بچھی نظر آتی۔ بخت خاں کے اجداد روہیلہ خاندان سے تھے' جس میں غلام قادر شہید سے لوگ پیدا ہوئے۔ ننھیال نواب اودھ کی قرابت دار تھی۔ سلطان پور میں قیام تھا۔(40)

ابتدائی حال کا پتہ نہیں لگا۔ کابل کی جنگ میں مسٹر رسل کی ہمراہی میں پہلے پہل نظر آتے ہیں۔ رسالدار کے عہدے پر ممتاز تھے۔ افغانوں کے مقابلے میں کارہائے نمایاں کئے۔ توپ خانے کے انچارج ہو گئے۔ جب کابل سے فوج سرکاری واپس ہوئی' یہ بیچ کی چھاؤنی میں رکھے گئے اور صوبہ دار بنا دیئے گئے۔ کچھ عرصے بریلی رہے۔ اپنے پیر مولوی سرفراز علی کے حکم سے انگریز سے بیزار ہو گئے۔ جب میرٹھ فوج میں بغاوت ہوئی یہ موقعہ کے منتظر تھے ہی' نواب بہادر خاں نبیرۂ حافظ الملک رحمت خاں جو صدر الصدور رہ چکے تھے' ان کے ہمنوا ہو گئے۔ انہوں نے

بریلی پر قبضہ کیا اور روہیل کھنڈ کے نواب بن گئے۔ بہادر شاہ کو اس کی اطلاع دے دی۔ نانا راؤ پیشوا بٹھور کو اس واقعے کی خبر لگی۔ اس نے اپنے بھائی بالا صاحب گوکھلے کو ان کے پاس بھیج دیا۔ بخت خاں اور بالا گوکھلے ہم خیال ہو گئے۔ بدایوں اور فرخ آباد تحصیل وصول کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ زمینداروں سے مالیانہ وصول کرتے ہوئے فوج کی بھرتی شروع کر دی۔ جب بڑی فوج ہو گئی' بلب گڈھ پر ہلہ بول دیا۔ ادھر دہلی سے تلنگے اور فوجی لوگ آ گئے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں دہلی ہی تمام باغی قوتوں کا مرکز بن گیا تھا۔

میرٹھ کے علاوہ بھی جہاں جہاں فوجیں باغی ہوتی تھیں سیدھی دہلی کا رخ کرتی تھیں کیونکہ دہلی میں مغلیہ سلطنت جو کہ نام کی سہی پر بادشاہ تو موجود تھے۔ جن کو ہندو مسلمان صدیوں کی روایات کی بناء پر دلوں میں اپنا بادشاہ سمجھتے تھے اور ان کی مجبوری اور محصوری سے دل ہی دل میں کڑھتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ غدر اور بغاوت کے بعد ہر شخص دہلی کا رخ کرتا تھا کیونکہ بادشاہ دہلی کو اس موقع کے لئے سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا۔ اس اعتبار سے بہ زمانہ غدر دہلی مٰیں سب سے بڑی شخصیت بہادر شاہ کی تھی۔ اس کے بعد ان کے بیٹے مرزا مغل کی۔ مرزا خضر سلطان۔ مرزا ابوبکر۔ مرزا عبداللہ' دہلی کے سربر آوردہ شہزادہ تھے۔"

ظہیر دہلوی لکھتے ہیں:-

"بخت خاں جرنل چودہ ہزار کا کمپو اور چند توپ خانے اور دو تین رجمنٹیں سواروں کی اور کئی لاکھ روپیہ خزانہ بریلی سے لے کر دہلی وارد ہوا۔" (41)

بہادر شاہ نے بخت خاں کو جرنل فوج کا مقرر کیا۔ یہ امر مرزا مغل کی ناگواری کا باعث بنا۔ شمس العلماء خواجہ حسن نظامی دیباچہ مقدمہ بہادر شاہ میں لکھتے ہیں۔

"غدر کے محرکین میں صدہا نام نظر آتے ہیں مگر اصل روح رواں تمام قوتوں کے (بہادر شاہ۔ مرزا مغل۔ بخت خاں) یہی تین آدمی تھے مگر انقلاب کی رہنمائی کا سلیقہ بہادر شاہ اور مرزا مغل میں نہ تھا۔ البتہ بخت خاں کی قابلیت مسلم ہے۔ اگر اس کو

بہادر شاہ اور مرزا مغل سی شاہانہ شخصیت حاصل ہوتی تو وہ فوجی و انقلابی لیاقت سے انگریز کے اقتدار کا خاتمہ کر دیتا۔ انقلابی جماعت کا وہی ایک ہونہار رکن تھا اور ایک مخصوص قابلیت فاتح ہونے کی اس کے اندر موجود تھی۔ جس کو انگریزوں کی فوجی تربیت نے چار چاند لگا دیئے تھے۔ بادشاہ اپنی کمزوری اور شہزادوں کی نالائقی سے واقف تھا۔ اس لئے اس نے تمام اختیارات بخت خاں کے ہاتھ میں دے دیئے تھے اور اس کو لارڈ گورنر بنا دیا تھا۔ اور اس کی رائے پر خود ہی عمل کرتے رہے مگر آخری رائے جرنل بخت خاں کی قبول نہ کی اور مرزا مغل' بخت خاں کے راستے میں رکاوٹیں ڈال رہا تھا۔ اس کشمکش میں فوجیں باہر ہو گئیں۔ انتظام کی مشین بگڑ گئی۔ انگریز دہلی پر قابض ہو گئے اور انقلاب کی اسکیم دھواں ہو کر اڑ گئی۔" (42)

بخت خاں لکھنؤ گئے خلد منزل میں سلطان بہو صاحبہ کے یہاں بہ سبب قرابت قریبہ قیام پذیر ہوئے اور حضرت محل سے ملے۔ ۵ ہزار دعوت کے علاوہ خلعت اور رومال ملا۔ ان کے ہمراہ پانچ ہزار فوج تیئں سو عورتیں دلی اور فرخ آباد کے بہت سے لوگ ساتھ تھے۔ چند یوم قیام کر کے مولوی احمد اللہ شاہ کے شریک کار ہو گئے۔ یہاں کی ناکامیوں کے بعد شاہجہانپور اور وہاں سے محمدی' آخر کار اپنے ہمراہیوں سمیت نیپال کا راستہ لیا۔ فوج ساتھ رہی۔ ایسے روپوش ہوئے پھر پتہ نہ لگا۔ (مفصل حالات مرتبہ سیدہ انیس فاطمہ بریلوی ۵۴ء جون کے مصنف علی گڑھ میں درج ہیں)۔

سید کرم علی اکبر آبادی:۔ ٹرانسپورٹ کے انچارج تھے۔ ہنگامے کے دوران میں باغیوں کی امداد کی اور مال و اسباب بھی لوٹ کا ان کے گھر میں جمع ہوا۔ بعد تسلط انگریزی ان کے محلہ قاضی پاڑہ کو کھدوا دیا گیا اور سید صاحب کو پھانسی دی گئی۔ مزار' آگرہ فورٹ کے پل پر ریلوے سڑک کے پہلو میں بنا ہوا ہے اور مرجع خلائق ہے۔

مولوی سعادت خاں اندوری ان کے دادا راجہ ہلکر کے معزز عہدہ دار تھے۔ شہر میں بڑا اثر تھا۔ جنگ آزادی ۵۷ء میں اس افغانی عالم نے عملی حصہ لیا۔ حریت نوازوں کے سرپرست بنے۔ مسٹر نہورس فوج لے کر اندور آیا اس سے مقابلہ کیا۔ راجہ

بلکہ نے اپنوں کو مروا دیا' یہ کام آئے۔

مولوی فیض احمد عثمانی بدایونی:- صدر بورڈ میں پیشکار تھے۔ دلی گئے۔ وہاں مجسٹریٹ کیے گئے' پھر جنرل بخت خاں کے ساتھ رہے۔

مولوی فیض الحق الوری:- بادشاہ نے دلی میں تحصیل وصول کا کام سپرد کر رکھا تھا اور ان سے بہت خوش تھے۔

قاضی فیض اللہ دہلوی:- ان کا حال معلوم نہ ہو سکا صرف ان کا نام بہادر شاہ کے مقدمہ میں آیا ہے۔

سید مبارک شاہ رامپوری' مولوی امام خاں رسالدار' ٹونک کے تھے۔ دلی آکر مجاہدین میں شامل ہوئے۔ مولوی سرفراز علی امیر المجاہدین جو جرنل بخت خاں کے پیر تھے۔ مولوی عبدالغفور ٹونکی۔ مولوی عماد الدین شہید' نبیرۂ ملا عبدالسلام کرمانی دیوی علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل ارباب خاندان سے کی۔ لکھنؤ کے چکلہ دار (ناظم) ہو گئے۔ حمد اللہ پر حاشیہ مبسوط لکھا۔ علماء جانباز کے ہمنوا تھے۔ سندیلہ میں فوج مخالف کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ وہیں مزار ہے جو مرجع خلائق ہے۔

سید گلزار علی امروہوی

سید گلزار علی ابن سید اکبر علی بن سید قرب علی بن سید عبدالواجد بن سید عبدالباری بن دیوان سید محمود ساکن امروہہ دربار کلاں۔ ابتداء" کثیر جائیداد کے مالک تھے۔ فیاضی طبع و ناتجربہ کاری کے باعث سب جائیداد ضائع ہوئی۔ پھر مختاری کا امتحان پاس کر کے مراد آباد میں عدالت ہائے فوجداری و کلکٹری میں مختاری کا کام کرتے رہے۔ ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء کو جب مراد آباد میں ہنگامہ ہوا' اور جیل خانہ ٹوٹا تو یہ قیدیوں کو ساتھ لے کر راتوں رات مراد آباد سے امروہہ آ گئے۔ یہاں پہلے سے حریت نواز جمع تھے۔ امروہہ پہنچ کر سب کو ساتھ میں لے کر امروہہ پر قبضہ کر لیا۔

سادات محلہ دربار کلاں واولا دیوان سید محمود اور شیوخ کلاں نبیرگان درویش علی خاں منصب پنج ہزاری عہد فرخ سیر نے یہاں اپنی حکومت قائم کر لی اور رعایا سے پندرہ پندرہ سال کا زمیندارہ وصول کیا۔ ان ہی حضرات میں سے کوئی ناظم مقرر ہوا اور کوئی دیوان بنا۔ سید گلزار علی نے فوج کی بھرتی شروع کر دی۔ دو تین ہزار آدمی بھرتی ہو گئے۔ مراد آباد میں شاہزادہ فیروز شاہ' خان بہادر خاں بریلی کی فوج لے کر آ دھمکے۔ چار ہزار فوج ان کے ساتھ تھی اور ایک درخواست بادشاہ دہلی کو روانہ کی گئی۔

"بندگان حضور لامع النور معدلت نشور حضرت ظل سبحانی خلفیتہ اکرحمانی شاہنشاہ گیتی پناہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ'

بعد تقدیم مراسم عبودیت و جان سپاری و لوازم فدویت و انکساری کہ سرمایہء تفاخر سرمدی است دین ایام' فرخندہ فرجام بہ استماع مژدہ جاں بخش روح افزائے زینت بخش افسرؤہیم خلافت الٰہی و زینت افزائے اورنگ شاہنشاہ و ایں غلامان قدیمی و خانہ زادان موروثی نبیرگان درویش علی خاں منصب دار پنجہزاری بہ اقبال والا جانبازی بکار بودہ و مہارزت دلیری کردہ استیصال بندوبست انگریزاں از سرکار سنبھل وکل قصبات متعلقہ سرکار موصوفہ ساختہ.و از قصبہ امروہہ خاص کو توالش و دیگر متعلقان و خیر خواہان انگریزی رابہ جہنم رسانیدہ و انہدام مکان تھانہ و تحصیل گردانیدہ۔ شیخ بشارت علی خاں برادر کلاں خود راکہ از بس منتظیم اند معہ پانصد کس مبارز و برائے انتظام اینجا گذاشتہ ما۔ فدویان بتاریخ بست و نہم ماہ رمضان المبارک معہ چہل تن برائے جاں نثاری تخت حضور فیض گنجور و قدم بوسی بندگان درگاہ ملائک پناہ کہ ملجائے جہاں و ماوائے بندگان قدیمی و خانہ زادان موروثی است از قصبہ امروہہ دواں دواں تا غازی الدین نگر رسیدہ راہ دہلی پیش گرفتم کہ عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب ولی محمد داد خاں بہادر بتاریخ

دوم ماہ شوال پل دریائے ہنڈان واپس کنانندہ ہمراہ خود بمقام مالا گڈھ اور دندد بسیار الطاف فرمود نداکنوں ما فدویان در مقام مذکور الصدر حسب الارشاد نواب صاحب ممدوح مقیم ہستیم و مستحق منصب موروثی لہذا امید کرد بتفضیلات حضرت ظل سبحانی و سایہ یزدانی بہ مراحم شاہنشاہی و بہ مناصب موروثی سرفرازی یافتہ بہ انتظام ملک کہرٹ ماموریم کہ اینجا آن بہ اقبال بندگان والا بخوبی خواہد شد۔ الٰہی آفتاب جہانگیز و کشور کشائے از مطلع جاہ و جلال طالع باد بحرمت النون و الصاد فقط۔"

مسٹرولسن اسپیشل کمشنر مراد آباد:- ۲۲ مئی ۱۸۵۸ء کو مسٹرولسن کو اسپیشل کمشنر مقرر کیا گیا۔ کمشنر ہوتے ہی یہ امروہہ آیا اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے لے گیا۔ شیوخ کلاں میں سے درویش علی خاں مرحوم و شیوخ صدیقی میں سے شیخ محمد افضل بن شیخ رمضاں علی بلوہ بغاوت کے سرغنہ ہونے کے جرم میں حبس دوام بہ عبور دریائے شور ضبطی جائیداد اوروں کو پھانسی کی سزائیں دی گئیں - سید گلزار علی نے غدر میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ غدر کے بعد مدت العمر روپوش رہے۔ ضلع بریلی وغیرہ میں ایام جلاوطنی و پریشان حالی میں بسر کی اور اسی حالت میں وطن اصلی سدھارے۔ وجیہہ و شکیل اور طبعاً" فیاض اور جری و جوانمرد تھے۔ (تاریخ امروہہ صفحہ ۸۳)

مولانا شاہ عبدالجلیل اکابر علماء سے تھے۔ علوم ظاہری کے ساتھ فیوض باطن سے بھی متمتع تھے۔ معقولات میں مولانا بزرگ علی مارہروی کے شاگرد اور حدیث و فقہ میں مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی سے مستفیض ہوئے۔ خلافت حضرت سید احمد بریلوی سے ملی۔ جامع مسجد علی گڑھ کی امامت پر مامور تھے۔ ۵۷ء کی جنگ آزادی کی علمبرداری نصیب ہوئی۔ میدان وغا میں اترے' جہاد کیا۔ یہ جنگ سونپال کے باغ پر ہوئی' جس میں فائز بہ شہادت ہوئے۔ مسلمانان علی گڑھ نے آپ کی نعش مبارک' آپ کے دوسرے ساتھیوں کی لاشوں کے ہمراہ جامع مسجد میں دفن کی۔ یہ خطیرہ جامع مسجد کے شمالی دروازے سے اندر جاتے ہوئے ملتا ہے۔ اس پر درخت گل دار لگا

دیئے گئے ہیں۔

شاہ عبدالجلیل کے صاحبزادے مولانا محمد اسماعیل تھے' جو عالم و فاضل تھے۔ باپ کی جگہ پیش امام رہے۔ صاحب درس و افادہ تھے۔(43)

ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی

ڈاکٹر صاحب بہار کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تفصیل مناظرے کے ذکر میں آچکی ہے۔ آگرے میں محلہ تاج گنج میں قیام تھا۔ جنرل بخت خاں نے لارڈ آگرہ بنایا تھا۔ آخر تک یہ جنرل صاحب کے ساتھ رہے۔ زخمیوں کی خبر گیری ان کا کام تھا۔ ناکامیابی پر ہجرت کر گئے۔ مکہ میں قیام تھا۔ یہاں ایک بدوی سردار کی بیوی خطرناک مرض میں گرفتار ہوئی۔ ہر جگہ علاج کرا کر ان کے پاس آیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ایسا علاج کیا' خدا نے اس کو شفا دی۔ وہ سردار بہت خوش ہوا اور کہا کیا خدمت کروں۔ آپ نے کہا' مجھ کو کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ ایک عرصے بعد حکومت برطانیہ نے ترکی حکومت کو لکھا کہ ہمارا باغی آپ کے یہاں ہے وہ گرفتار کرکے بھیج دو۔ باب حکومت نے شریف مکہ کو لکھا۔ شریف نے ڈاکٹر صاحب کو بلایا۔ آپ نے کہا میں حرم میں ہوں' آپ مجھ کو گرفتار کرکے خلاف شرع نصاریٰ کو دے کر مستحق عذاب ہوں گے۔ شریف نے کہا آپ بدوی سردار سے اس مسئلے میں مشورہ کیجئے۔ میں باب حکومت ترکی سے مجبور ہوں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب بدوی سردار کے پاس گئے۔ عام حالات سن کر شریف مکہ کو کہلا بھیجا کہ آپ سلطان ترکی کو کہلا بھیجئے' میری امان میں ڈاکٹر ہے' جب تک میرے قبائل جن کی تعداد بیس ہزار ہے وہ کٹ نہ جائیں گے ڈاکٹر پر کوئی ہاتھ ڈال نہیں سکتا۔ چنانچہ شریف نے باب عالی کو لکھا انہوں نے برطانیہ کو انکار لکھ دیا کہ مکہ کا کوئی آدمی کسی دوسرے کو نہیں دیا جا سکتا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب غدر کے پندرہ برس تک زندہ رہے۔ انتقال ہوا تو جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ مولوی محمد اسماعیل ٹونکی حضرت یاس ٹونکی کے بھائی ۱۹۳۵ء میں حج کو گئے

تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے مزار پر بھی حاضری دی۔

نواب علی بہادر خاں باندہ

نواب علی بہادر خاں خلف نواب ذوالفقار علی خاں والی باندہ ان کے بھائی نواب شمشیر علی خاں بہادر نے باندہ کی راجدھانی قائم کی۔ ذوالفقار علی خاں نواب ہوئے۔ ۱۲۴۹ء میں اس دنیا سے انہوں نے انتقال کیا۔

شد آہ ذوالفقار علی درنیام آہ

۱۲۴۹

نواب علی بہادر خاں ۱۲۶۵ھ میں تخت نشین ہوئے منیر شکوہ آبادی نے قطعہ لکھا۔

علی بہادر عالم پناہ بندہ نواز   نہاد چوں بسر خویش افسر شوکت
منیر مصرع تاریخ ایں عمل گفت   جلوس باد مبارک بہ مسند نصرت

۱۲۶۵

گورنر کے یہاں سے خلعت آیا اس پر منیر کہتے ہیں:-

خلعت آیا گورنری سے ملا   کھل گیا باغ ثروت اور جلال
مرے نواب ہو گئے مسرور   ہو مبارک یہ سال فرخ فال
کہی برجستہ میں نے یہ تاریخ
آج آیا ہے خلعت اقبال

۱۲۶۵

نواب خوش استعداد اور اہل علم کے قدردان' شعر گوئی سے شوق منیر شکوہ آبادی سے مشورہ سخن کرتے۔ علی' تخلص تھا۔ کہتے ہیں:-

قصد کرتا ہوں ترے گھر سے جو میں جانے کا   دل یہ کہتا ہے کہ تو چل میں نہیں آنے کا

ریاست:- باندہ بندیل کھنڈ میں واقع ہے۔ جھانسی کو زیادہ اہمیت تھی۔ یہ علاقہ

بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت تھا۔ یہاں کا ولی راجہ گنگا دھر راؤ تھا۔ اس کو مارونپت تانبے کی لڑکی لکشمی بائی بیاہی گئی تھی۔ مارونپت آخری پیشوا باجی راؤ دویم کا برہمن پروہت تھا۔ لکشمی بائی کے آٹھ برس بعد ایک بچہ ہوا جو چار ماہ کی عمر میں فوت ہو گیا۔ راجہ گنگا دھر پر بجلی سی گری۔ وہ غم میں بچے کے گھلتا ہی رہا۔ اس نے اپنی گرتی ہوئی حالت کو دیکھتے ہوئے دامودر راؤ جو قریبی عزیز تھا اس کو متبنیٰ کر لیا۔ لارڈ ڈلہوزی ہندوستان کا گورنر جنرل تھا۔ اس کی منشا تھی کہ تمام ریاستیں حکومت سے ملحق ہو جائیں۔ ستارا، ناگپور کے بعد جھانسی پر نگاہ تھی۔ گنگا دھر راؤ نے پہلے انگریز ریزیڈنمٹ سے درخواست کی تھی کہ وہ اس کی تاج برطانیہ سے عمر بھر کی وفاداری کے پیش نظر جھانسی کا الحاق نہ کریں مگر درخواست نامنظور ہوئی۔ جھانسی کا الحاق ۱۲۵۳ھ میں عمل میں آیا اور نوجوان بیوہ لکشمی بائی بے دخل کر دی گئی۔ اس نے کمپنی کے اس خلاف عہد طرز پر آواز اٹھائی مگر یہ احتجاج صدابصحرا ثابت ہوا۔

رانی کو ارباب حکومت سے منافرت سی پیدا ہو گئی مگر رانی اپنی رعایا کی خدمت میں لگی رہی۔ ان کی ضروریات کا لحاظ رکھتی۔ ہر ایک اس کا گرویدہ تھا۔ اس اثناء میں طوفان کے بادل چھانے لگے۔ کمپنی کے عمال کی سخت گیری سے عوام میں بے چینی کی چنگاریاں اکٹھی ہو کر غدر کے واقعات کی صورت اختیار کرنے لگی تھیں۔ جو کہ دراصل ہندوستان کی طرف سے اپنی سو سالہ غلامی کا جوا اتار پھینکنے کے لئے پہلی بغاوت تھی۔ بغاوت کا یہ شعلہ جوں ہی بھڑک اٹھا، اس نے تقریباً" سارے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ لکشمی بائی کی من مانی مراد پوری ہوئی۔ دلی، لکھنؤ، کانپور کے واقعات نے رانی پر بھی اثر ڈالا۔ اس نے فوج اکٹھی کر لی اور جھانسی کو مقابلہ کے لئے مضبوط کر لیا۔ سرہیگ روز یہ رنگ رانی کا دیکھ کر ایک فوج گراں کے ساتھ جھانسی پر حملہ آور ہوا۔

رانی کے پاس گیارہ ہزار جوانوں پر مشتمل فوج تھی۔ مقامی کارخانوں کی تیار کردہ توپوں، بندوقوں، گولوں اور بارود وغیرہ سے آراستہ کر دی گئی تھی۔ چنانچہ سر

ہیگ روز کے حملہ کو رانی خاطر میں نہیں لائی اور مقابلے کے لئے تیار ہو گئی۔ رانی نے تانتیا ٹوپی کو امداد کے لئے لکھا۔ تانتیا فوج لے کر جھانسی کی طرف آ رہا تھا۔ انگریزی فوج سے مقابلہ پڑا، شکست کھا گیا۔

نتیجہ میں رانی کو شہر کی حفاظت ترک کرنا پڑی اور پیدل کالپی روانہ ہو گئی۔ راؤ صاحب یہاں کے محاذ کا افسر اعلیٰ تھا۔ اس نے ڈھائی سو سواروں کا دستہ رانی کے زیر کمان دیا۔ اس نے انگریزی فوج سے مقابلہ کیا اور داد شجاعت دی۔ مگر راؤ صاحب اپنے مقابل سے شکست کھا گیا۔ بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔ رانی نے راؤ صاحب کی ہمت بندھائی اور مشورہ دیا کہ موقعہ ہے گوالیار کے قلعے پر قبضہ کر کے پھر دشمن سے نمٹا جائے۔ راؤ صاحب کو یہ تجویز پسند آئی۔ تمام فوج کو سمیٹ کر راجہ سندھیا کو آ گھیرا۔ وہ تاب مقابلہ نہ لا سکا اور مغلوب ہوا۔ اب گوالیار رانی کے قبضے میں تھا مگر راؤ صاحب بالکل ناکارہ مغرور، عیاش مزاج آدمی تھا۔ گوالیار کی فتح کی خوشی میں اپنے آپ کو بھول گیا۔ سر ہیگ روز نے بھاری فوج کے ساتھ گوالیار پر حملہ کر دیا۔ شیورام تانتیا ٹوپی اور لکشمی بائی بمشکل تیار ہونے پائے تھے۔ آخرش معرکہ پھر انگریزوں کے ہاتھ رہا۔ لکشمی بائی دو دیویوں اور چند مرد مصاحبوں کے ہمراہ میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گئی۔ مخالف فوج اس کے پیچھے لگ گئی۔ ایک ایک کر کے انہوں نے بھون کھایا۔ رانی بھی مجروح ہو کر گھوڑے سے گری۔ ایک خدمتگار قریبی جھونپڑی تک لے گیا۔ لیکن کشتیٔ عمر رواں کنارے پر لگ رہی تھی۔ چند لمحوں کے اندر مرغ روح، قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ یہ دن ۱۸ جون ۵۸ء کا تھا۔

نواب علی بہادر خاں شجاع اور جری تخلص نواب تھا۔ ادھر رانی جھانسی اور تانتیا ٹوپی کے نامہ و پیام شرکت ہنگامہ کے جاری تھے۔ مرزا ولایت حسین خاں وزیر اعظم باندہ اور منشی سید اسماعیل حسین منیر سے مشورہ کیا۔ ہر ایک جانبازی اور سرفروشی پر سر کف تیار تھا۔ مقامی فوج کو کیل کانٹے سے درست کر کے راج گڑھ کے قلعے پر نواب نے حملہ بول دیا اور قلعہ فتح کر لیا۔ ۱۵ جون ۵۷ء مسٹر ایچ اے کاک

دل قلعہ باندہ میں آیا۔ اس کو مصاحبوں نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد ۱۸ اکتوبر کو اردگرد سے باغی آکر جمع ہوئے۔ ان کے پاس دو ہزار گھوڑے سوار تھے۔ جنرل وائٹ لاک نے حملہ کیا مگر اس کو شکست اٹھانا پڑی۔

جنگی کونسل نواب نے بنائی۔ جس کے ارکان میں محمد سردار خاں ناظم میر انشاء اللہ سپہ سالار فوج اور وزیر اعظم مرزا ولایت حسین تھے۔ امداد حسین اور فرحت علی افسران فوج قرار دیئے گئے۔ جنرل وائٹ لاک نے اپریل ۵۸ء کو دوسرا حملہ باندہ پر کیا مگر مقابلے پر اہل باندہ ٹھہر نہ سکے۔ شکست یاب ہوئے۔ ۲۰ اپریل ۵۸ء کو سرکاری قبضہ باندہ پر ہو گیا۔

نواب نے فیل پر راہ فرار اختیار کی(44)۔ مرزا ولایت حسین اور منیر شکوہ آبادی فرخ آباد گئے۔ راستے میں گرفتار ہوئے۔ ان پر بغاوت کا مقدمہ چلا۔ ا ہر دو آگے پیچھے انڈمان بھیج دیئے گئے۔ ولایت حسین وہیں سپرد خاک ہوئے۔ منیر آٹھ برس بعد نواب یوسف علی خاں کی سفارش سے آزاد ہو کر ہندوستان آ گئے اور رام پور میں اس دنیا سے ۱۲۹۷ھ انتقال کر گئے۔

نواب علی بہادر خاں حکومت کے ہاتھ لگ گئے۔ رعایت یہ برتی کہ اندور میں نظر بند کر دیا۔ ۳۶۰۰ روپے سالانہ مقرر کر دیئے گئے۔ ۱۸۷۲ء میں بمبئی بلائے گئے۔ گورنر کے دربار میں جگہ ملی۔ آپ نے اندور میں ۱۲۹۰ھ میں انتقال کیا۔

مولوی مظہر کریم بھی ہنگامہ ۵۷ء کے مارے ہوئے تھے۔ ان کو بھی انڈمان جانا پڑا۔

نواب تفضل حسین خاں والیٔ فرخ آباد(45)

نواب تفضل حسین ابن نواب عنایت حسین نصرت جنگ ابن نواب خادم حسین شوکت جنگ ابن امداد حسین خاں ناصر جنگ ابن دلیر ہمت خاں مظفر جنگ ابن احمد خاں غالب جنگ ابن امام خاں ابن قائم خاں ابن نواب غضنفر جنگ بنگش۔ نواب تفضل حسین خاں بطن سلطان عالیہ ۵ ربیع الثانی ۱۲۴۳ھ میں پیدا ہوئے۔ نواب تفضل حسین خان کی تعلیم و تربیت نواب زادوں کی طرح تھی۔ علمی استعداد معقول تھی۔ ان کے چچا نواب تجمل حسین خاں ظفر جنگ ابن نواب شوکت جنگ والیٔ فرخ آباد تھے۔ ظفر جنگ مخلصہ کا نواب تھا۔ اس کی داد و دہش کی بڑی دھوم تھی۔ اس کے ارد گرد علماء و شعراء کا جمگھٹا لگا رہتا۔ منیر شکوہ آبادی بھی اس کے دربار کے شعراء میں داخل تھے۔ مرزا غالب کو بھی فرخ آباد آنے کی دعوت دی۔ مرزا صاحب جانہ سکے' فرماتے ہیں:-

دیا ہے خلق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے   بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لئے

نواب تجمل حسین خان ۱۸۴۶ء میں لاولد انتقال کر گئے۔ نواب تفضل حسین خاں ان کے جانشین ہوئے۔ انتظام ریاست کو بڑی قابلیت سے چلایا۔ گیارہ برس انہیں پورے حکومت کرتے ہوئے نہ گزرے تھے کہ ہنگامہ ۵۷ء رونما ہوا۔ نواب خاندان بنگش کا فرد' جس کے باپ دادا تلوار کی چھاؤں میں پلے وہ خاموش کیا بیٹھتا۔ یہ بھی وقت کے تقاضے سے رنگ لائے بغیر نہ رہے۔ آغا حسین کمانڈر انچیف سیتاپور

سے دو ہزار فوج کے ساتھ نواب کے علاقہ میں داخل ہوا۔ نواب نے اس کی دستگیری کی۔ دو سو نفوس اور ۲۴ بندوقیں اور روپیہ پیسہ سے مدد دی۔ تمام باغی نواب کے اردگرد جمع ہو گئے۔ سات ماہ تک کامل ضلع پر حکمرانی کی۔

احمد یار خاں ناظم محسن علی خاں باغیوں کے سردار تھے' جنہوں نے کل علاقہ سے جبریہ روپیہ وصول کرنا شروع کر دیا۔ مگر نواب کے اطاعت گزار تھے۔ بادشاہ دہلی نے اس کی نیابت سلطنت منظور فرمالی اور خلعت و سند سے نوازا' مگر ملک بگڑ چکا تھا۔ غداروں نے ہر جگہ دھوکے دیئے۔ آخر پانسہ الٹا پڑا۔ ۱۸۵۹ء میں نواب نے اپنے کو گورنمنٹ کے حوالے کر دیا۔ ان پر بغاوت اور قتل کے مقدمہ قائم کر دیئے۔ میجر بیزور نے گرفتار کرتے وقت وعدہ کیا تھا کہ اگر کسی یورپین کو تم نے قتل نہیں کیا ہے' جان بخشی کی جائے گی۔ چنانچہ میجر صاحب ہی سپیشل کمشنر مقرر ہوئے اور باغیوں کے مقدمات کی سماعت سپرد ہوئی۔ انہوں نے نواب پر جرم قائم کرکے پھانسی کا فیصلہ دیا۔ ان کے بھائی نواب سخاوت حسین خاں بھی سزایاب ہوئے۔ نواب نے میجر بیزور کو وعدہ یاد دلایا مگر توجہ نہ کی گئی۔ آخرش اپیل گورنر جنرل کے یہاں کی گئی (46)۔ گورنر جنرل نے سزائے موت ہٹا دی اور یہ شرط رکھی کہ نواب برطانیہ کے علاقہ سے خارج البلد ہو جائیں اور اگر کبھی لوٹ کے آئے تو سزا قائم رہے گی۔ چنانچہ ۱۸۵۹ء نواب کو جہاز پر بٹھا کر عدن پہنچا دیا گیا۔ وہاں سے حجاز چلے گئے۔ مکہ میں رہنا سہنا اختیار کیا۔ نواب صدیق حسن خاں ۱۲۸۵ھ میں حج کو گئے تھے۔ نواب سے بھی ملے تھے۔ فقرا کی صف میں تھے۔ غرباء میں ان کا شمار تھا۔ نواب صاحب نے ایک جوڑا ان کو عطا کیا۔ آخرش نواب نے بحالت کلفت ۱۸۸۴ء میں مکہ معظمہ میں انتقال کیا۔ نواب کے بھائی نواب سخاوت حسین خاں بہادر کو پھانسی لگی اور بھی فرخ آباد کے حضرات اس ہنگامے کی لپیٹ میں آئے۔

منیر شکوہ آبادی نے قطعہ تاریخ ذیل کا نواب سخاوت حسین خان بہادر کے لیے لکھا۔

ریاض خلق سخاوت حسین خاں نواب — نہال باغ کرم زیب مسند شوکت
جوان قابل و فرزند خاص نصرت جنگ — غلام آل نبی سردا قمر طلعت
سخاوت اور مروت میں بے نظیر جہاں — ریاست اور امارت کے واسطے زینت
ہر ایک دل میں جگہ اس کی جاں سے بڑھ کر — ہر ایک زبان پر اس کا وظیفہ درجت
زمانہ اس کی مروت پر اس طرح شیدا — مشام روح ہو جس طرح عاشق نکہت
وہ بے گناہ ہوا تیغ مرگ سے مقتول — عنایت اس کو کیا حق نے گلشن جنت
منیر نے یہ کہی اس کے قتل کی تاریخ — ہوا شہید امیر اسیر باہمت

۱۲۷۴ھ

فرخ آباد کے دو حضرات کو اور پھانسی دی گئی۔ منیر نے تاریخ لکھی ہے۔
تاریخ پھانسی نواب اقبال مند خاں بہادر و نواب غضنفر حسین خاں بہادر فرخ آباد۔

اقبال مند خاں و غضنفر حسین خاں — دونوں در محیط عطا آہ آہ ہائے
دونوں جواں نیک امیران ذی حشم — مقتول تیغ تیر قضا آہ آہ ہائے
تاریخ اس کے قتل کی کافی ہے یہ منیر
دونوں شہید راہ خدا آہ آہ ہائے

مولانا مولوی لیاقت علی دو آبہ کے رہنے والے تھے۔ فقر میں دخل تھا۔ ان کے تقدس کی بڑی شہرت تھی۔ چائل کے زمینداروں نے انہیں سراہا۔ ہنگامہ ۵۷ء میں مولانا نے بھی علم جہاد بلند کیا۔ چائل کے لوگ علم کے زیر سایہ جمع ہونا شروع ہو گئے تو الہ آباد گئے اور خسرو باغ میں آپ کا رائت جنگ لہرایا۔ دلی سے ابو ظفر بہادر شاہ نے آپ کو الہ آباد کا گورنر مقرر کیا۔ مسٹر نیل نے بڑی سعیء بلیغ کی کہ مولانا کا اقتدار بڑھنے نہ پاوے مگر برطانیہ کا اقتدار گہن میں آگیا تھا۔ مولانا کا زور بڑھتا ہی رہا۔ سرکاری آدمیوں کی خبر لی گئی۔ انہوں نے وہاں سے راہ فرار اختیار کی۔ کچھ عرصے بعد پوری قوت سے سرکاری فوج نے ہلہ بول دیا۔ ۱۲ جون کو دریا گنج پر گولہ

باری ہوئی۔ سکھ فوج کے دباؤ سے مولانا کے ہمراہی بے سروسامانی کی بدولت پسپا ہونے لگے۔ چنانچہ کشتیوں کے پل کی درستی کرائی گئی۔ تاکہ دوسرے دن میجر اسٹیفن اور ایک سو آدمی مسٹر نیل کی فوج کے اس پر سے گزر سکیں۔ ۱۳ جون کو مسٹر اور بلاک جوئنٹ مجسٹریٹ کی ماتحتی میں اور جہاں جہاں ہنگامی اور بلوائی تھے ان سے مقابلہ ہوا۔ آخرش مولانا کو الہ آباد چھوڑنا پڑا۔ وہاں سے لکھنؤ چلے آئے۔ ان کے سالہ خان بہادر عنایت حسین خاں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ ان کے پاس رہے۔ وہاں بھی انگریزی تسلط کی وجہ سے نہ رہ سکے تو(47) مولانا احمد اللہ مدراسی کے جھنڈے تلے جنرل بخت خاں کے ساتھ شریک ہو گئے۔

جنرل نیاز محمد خاں

جنرل نیاز محمد خاں نے اپنے علاقے کے بلوائیوں کو ساتھ لے کر سورج پور کے پاس گنگا کو عبور کیا اور پرگنہ کیمبل پور میں داخل ہوا۔ تھانہ کھار پر ایک دو دن پڑا رہا۔ شمس آباد کے لوگ بھی اس کے ہمنوا ہو گئے۔ ۲۷ جون کو بریگیڈیئر ہوپ گرانٹ نے یکایک اس پر حملہ بول دیا مگر پسپائی ہوئی۔ باغی گنگا پار چلے گئے۔ تین ہزار کی تعداد تھی۔ آخرش پھر مقابلہ انگریزی فوج سے ہوا۔ نیاز محمد خاں کو فرار ہونا پڑا۔ مکہ معظمہ گئے۔ ۱۸۷۲ء میں نواب جوناگڑھ کے یہاں آکر ملازمت اختیار کی۔ بمبئی آئے ہوئے تھے' جہاں گورنر جنرل کا قیام تھا۔ وہاں یہ پہچان لئے گئے' گرفتار ہو گئے۔ مقدمہ چلا' آخرش سزائے موت تجویز ہوئی مگر ہائی کورٹ نے کالا پانی تاحیات رکھا۔ چنانچہ انڈمان بھیج دیئے گئے وہیں پیوند خاک ہوئے۔

مولانا امام بخش صہبائی شہید

مولانا امام بخش فاروقی صہبائی ابن مولانا محمد بخش تھانیسری صہبائی کے دوسرے بھائی حکیم پیر بخش تھے۔ دلی میں کوچہ چیلاں میں مکان بنا لیا تھا۔ علوم فارسی

عربی عبداللہ خاں علوی سے تحصیل کیے۔ فارسی میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ علامہ کے اثر سے شعر گوئی سے بھی لگاؤ پیدا ہو گیا۔ اپنی ذاتی کاوش اور استاد کی توجہ سے تبحر کا درجہ حاصل ہو گیا۔ استاد نے وہ گر سکھائے کہ نو عمری میں مرزا قتیل فرید آبادی کے ہم پایہ استاد سمجھے جانے لگے۔

مولانا محمد حسین آزاد آب حیات میں لکھتے ہیں کہ :-

"۱۸۴۲ء میں جبکہ دہلی کالج نئے اصول پر قائم کیا گیا مسٹر ٹامسن سیکرٹری گورنمنٹ ہند جو آخر کو اضلاع شمال و مغرب میں لیفٹیننٹ گورنر ہو گئے تھے۔ مدرسین کے امتحان کے لئے دلی میں آئے اور چاہا کہ جس طرح سو روپیہ ماہوار کا ایک عربی مدرس ہے فارسی کا بھی استاد مقرر کیا جائے۔"

ڈاکٹر عبدالحق نے مرحوم "دہلی کالج" میں لکھا ہے :-

"مفتی صدر الدین خاں صدر الصدور نے لیفٹیننٹ گورنر سے عرض کی کہ ہمارے شہر میں فارسی کے استاد صرف تین شخص ہیں' ایک مرزا نوشہ۔ دوسرے حکیم مومن خاں۔ تیسرے امام بخش صہبائی۔ لیفٹیننٹ گورنر بہادر نے تینوں کو بلوایا۔ مرزا نوشہ بھلا یہ روگ کیوں پالنے لگے تھے۔ انہوں نے تو انکار کر دیا۔ مومن خاں نے یہ شرط کی کہ سو روپے ماہانہ سے کم کی خدمت قبول نہ کروں گا۔ مولوی امام بخش کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ انہوں نے یہ خدمت چالیس روپے ماہوار قبول کر لی۔ بعد کو پچاس ہو گئے۔"

گارسان دتاسی فرانسیسی اپنے خطبات اردو میں لکھتے ہیں :-

"مولانا صہبائی منشی کریم الدین کے ہم عصر ہیں اور منشی صاحب اپنے تذکرہ شعراء میں بیان کرتے ہیں کہ یہ قابل مصنف دہلی میں فارسی کے سب سے زیادہ فاضل ادیب تصور کئے جاتے ہیں اور اس وجہ سے دہلی کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر کئے گئے۔"

مولانا صہبائی کا درس و تدریس کے بعد تمام وقت تصنیف و تالیف میں گزرتا تھا۔ فارسی میں کثرت سے کتابیں لکھیں۔ حدائق البلاغت کا ترجمہ کیا۔ مولانا حامد حسن قادری داستان تاریخ اردو میں لکھتے ہیں۔

صرف لکھنے کو ترجمہ ہے ورنہ اصل میں فن بلاغت کو اردو میں منتقل کیا ہے یہ اردو میں اس فن کی پہلی مکمل و مستند کتاب ہے۔

آپ کے فارسی کے کثیر التعداد رسائل کلیات میں شائع ہو گئے ہیں۔

واقعہء شہادت

آفت اس شہر میں قلعہ کی بدولت آئی   وہاں کے اعمال سے دلی کی بھی شامت آئی
روز موعود سے پہلے ہی قیامت آئی   کالے میرٹھ سے یہ کیا آئے کہ آفت آئی

صہبائی کے ساتھی مولانا فضل حق۔ مفتی صدر الدین خاں آزردہ' وغیرہ اس جنگ آزادی میں شریک تھے۔ ان کو بھی شرکت کرنی پڑی۔ قلعہ میں بہادر شاہ نے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ اس میں یہ بھی بلائے گئے۔ جب پانسا الٹا پڑا' انگریز فاتحانہ طور سے دلی میں داخل ہوئے۔ جنرل بخت خاں وغیرہ میدان چھوڑ گئے۔

ظہیر دہلوی کہتے ہیں:۔

جہاں کی تشنہ خوں تیغ آب دار ہوئی   سنان نیزہ ہر ایک سینہ سے دوچار ہوئی
رسن ہر ایک بشر کے گلے کا ہار ہوئی   ہر ایک سمت سے فریاد گیر و دار ہوئی

ہر ایک دشت قضا میں کشاں کشاں پہنچا
جہاں کی خاک تھی جس جس کی وہ وہاں پہنچا

ہر ایک شہر کا پیر اور جوان قتل ہوا   ہر ایک قبلہء و ہر خاندان قتل ہوا
ہر ایک اہل زباں خوش بیان قتل ہوا   غرض خلاصہ یہ ہے اک جہان قتل ہوا

گھروں سے کھینچ کے کشتوں پہ کشتے ڈالے ہیں
نہ گور ہے نہ کفن نہ رونے والے ہیں

غرض کہ جو زد میں گوروں کے آیا وہ گولی کا نشانہ ہوا۔ ان میں کئی اشخاص باکمال نامی اور فرد روزگار تھے۔ وہ بھی مارے گئے' جو دہلی کی ناک اور یگانہ آفاق تھے' جن کی نظیر آج تک پیدا نہیں ہوئی اور نہ ہو گی' میاں محمد امیر پنجہ کش خوشنویس جن کا ثانی روئے زمین پر نہیں۔

مولوی امام بخش صہبائی اور ان کے دو بیٹے اور میر نیاز علی واقعہ خواں اور کوچہ چیلاں کے بہت سے شریف خاندانی لوگ' سنا گیا ہے کہ اس محلّہ کے چودہ سو آدمی گرفتار کرکے راج گھاٹ کے دروازے سے دریا پار لے جا کر بندوقوں کی باڑیں مار دی گئیں اور لاشیں دریا پھینکوا دی گئیں۔

حضرت اکبر الہ آبادی لکھتے ہیں:۔

وہی صہبائی جو تھے صاحب قول فیصل : ایک ہی ساتھ ہوئے قتل پدر اور پسر

آخر میں ان کی درد انگیز شہادت پر ایک مرثیہ ملاحظہ ہو:۔

ندانم کجا رفت آں نعش پاک ملک بردیا ماند بر روئے خاک
ندانم کسے داد اورا کفن دیا ماند جوں سایہ برخاک تن
ندانم چہ کرد است با اوسپہر زجامہ کفن کر دیا تاب مہر
بخاکش نمودند اور انہاں دیا مرتفع شد سوئے آسماں
کسے فاتحہ ہم برو خواندہ است .عطر گلابی بر افشاندہ است
کدامی گل و بلبل و بادوشت بخاکش بحسن عقیدت گزشت
الٰہی بیا مرزا مظلوم را کلاہ شہی دہ بہ ملک بقا
بفردوس اعلیٰ بود جائے او
بہشت بریں باد ماوائے او (48)

مولانا شاہ سید نیاز احمد شہید:۔

مولانا شاہ سید نیاز احمد شہید بن خواجہ سید آل احمد شاہ مودودی سہوانی

۱۲۳۳ء میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علوم درسیہ دلی و لکھنؤ میں فرمائی۔ فن حدیث و فقہ سے خاص مناسبت تھی۔ بعد تکمیل دہلی میں چند سال قیام فرمایا۔

مولانا محمد عبدالباقی حیواۃ العلماء میں لکھتے ہیں کہ

"مولانا طلبہ علم کو درس دیتے اس کے ساتھ فنون سپہ گری و مشق تیر اندازی و شمشیر زنی و شہسواری میں ان کو مہارت تامہ حاصل کراتے بعض بزرگان دین (مولانا سید احمد بریلوی) کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی اور شریک غزوہ ہوئے۔ کفار و مشرکین سے جنگ کی پھر وطن لوٹے اور اپنے والد ماجد کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ذکر و فکر و مجاہدہ میں لگ گئے۔"

ہنگامہ ۵۷ء میں شریک ہوئے اور بعمر ۳۹ سال وطن میں گولی کا نشانہ بنے۔ دست مبارک میں تسبیح اور لب پر کلمہ ء شہادت تھا۔

تاریخ وفات

شہادت یافت چوں سبط پیمبر نیاز احمد کہ بود از آل احمد
چو روح پاک او در جنت آسود دخول خلد تاریخش برآمد (49)

مولوی رضی اللہ بدایونی:-

علمی گھرانے کے فرد تھے۔ علمائے عصر سے علوم تحصیل کے درس و تدریس شغل تھا۔ اکثر انگریز آپ سے فارسی عربی پڑھتے تھے۔ مسٹر کارمیکل آپ کا شاگرد تھا۔ ہنگامہ ۵۷ء میں آپ نے بدایوں کے علاقہ میں کارہائے نمایاں کئے۔ بعد تسلط کے مولوی صاحب بھی گرفتار ہوئے۔ حسن اتفاق سے مسٹر کارمیکل عہدہ کلکٹری پر ممتاز تھے۔ ان کے سامنے مولانا کا مقدمہ پیش ہوا۔ مولانا طفیل احمد مرحوم لکھتے ہیں کہ

"جب کلکٹر صاحب نے مولوی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے صاف الفاظ میں شرکت ہنگامہ کا اقبال کیا۔ کلکٹر صاحب کو چونکہ اپنے استاد سے

ہمدردی تھی' اس لئے انہوں نے مقدمہ ملتوی کر کے مولوی صاحب کو کہلا بھیجا کہ وہ جرم سے انکار کر دیں تو چھوڑ دیئے جائیں گے۔ مگر دوسرے روز کی پیشی میں پھر مولوی صاحب نے اقبال جرم کیا۔ اس پر کلکٹر صاحب کو مجبوراً" سزائے موت کا حکم دینا پڑا۔ پھر جبکہ اس کی تعمیل میں بندوق سے گولی مارنے کا وقت آیا۔ کلکٹر صاحب اپنے جذبات کو ضبط نہ کر سکے اور مولوی صاحب سے رو کر کہا' اب بھی اگر آپ شرکت ہنگامہ سے انکار کر دیں تو میں آپ کو موت سے بچا لوں گا۔ اس کا جواب مولوی صاحب نے بڑی ترش روئی سے یہ دیا کہ کیا میں تمہاری وجہ سے اپنا ایمان اور اپنی عاقبت خراب کر لوں۔ یہ کہہ کر بخوشی جان دے دی"(50)۔

مفتی عنایت احمد:-

مفتی عنایت احمد نے علمائے عصر سے اکتساب علوم عقلیہ نقلیہ کیا اور سند حدیث شاہ محمد اسحاق دہلوی سے حاصل کی۔ اس کے بعد قانون پڑھا۔ گورنمنٹ نے منصفی پر نامزد کیا۔ مفتی صاحب جب منصف ہو گئے تو اجلاس میں ایک طرف طلباء اپنی کتابیں لئے بیٹھے رہتے تھے اور جب موقعہ ملتا سبق پڑھ لیتے۔

۵۷ء میں مفتی صاحب کا تقرر صدر اعلیٰ کے عہدہ پر ہوا مگر قبل اس کے کہ جدید عہدہ کا کام شروع کریں' ہنگامہ ۵۷ء رونما ہوا' جس میں آپ پر بغاوت کا الزام قائم ہوا اور جزیرہ انڈمان بھیج دیئے گئے۔ ایک انگریز کی فرمائش پر مفتی صاحب نے تقویم البلدان کا ترجمہ کیا اور یہی ترجمہ ان کی انڈمان کی قید سے رہائی کا باعث ہوا۔ (51)

نواب ولی داد خاں بہادر:-

نواب ولی داد خاں بہادر رئیس مالا گڈھ نواب کے والد کا نام بہادر خاں ابن حقداد خاں شاہ عالم کے زمانہ میں برن کے علاقہ میں عامل رہے۔ رہتورہ میں قلعہ

مالال بزرگ کے نام میں بنایا۔ بہادر خاں سے مرہٹوں سے دو دو ہاتھ ہوئے۔ ۱۸۱۴ء میں انتقال کیا۔ ولی داد خاں کو ایک ہزار روپیہ ماہوار حکومت دیتی تھی(52)۔ ولی داد خاں بہادر شاہ سے ملنے گئے تھے' ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا۔

۲۶ مئی ۵۷ء کو نواب داد خاں بادشاہ نے سندھ صوبہ داری دو آبہ لے کر چند سپاہیوں اور تلنگوں اور رنگروٹوں کے ساتھ مالا گڈھ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اول غازی نگر پہنچے' وہاں کا انتظام کیا۔ تحصیلدار اور تھانہ دار نے حاضر ہو کر نواب کو نذر گزرانی اور حکومت دو آبے کی مبارک باد دی۔ نواب نے وہاں کا انتظام کر کے سو سپاہی سڑک کی نگہبانی اور قصبہ کے انتظام کے واسطے تحصیلدار اور تھانہ دار متعین کئے۔ مہربان علی خاں اور مظفر علی خاں امروہوی کو اپنے ساتھ لیا۔ موضع وادری آکر قیام کیا۔ تیسرے روز اپنے مستقر مالا گڈھ (ضلع بلند شہر) پہنچ گئے اور ضروری انتظام میں لگ گئے۔

دوسرے دن سائل پور کا نمبردار سو سواروں اور پچاس پیادوں کے ساتھ آیا۔ اس کے بیٹے حاند خاں کو بغیر ثبوت جرم پھانسی کلکٹر صاحب نے دے دی تھی۔ وہ خار کھائے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے نواب سے آکر شکایت کی۔ اس کی دلجوئی کی گئی۔ کلکٹر صاحب کو خبر لگی۔ انہوں نے نواب کو لکھا کہ "اگر تم نے سائل پور کے فسادیوں کا ساتھ دیا تو تم کو پھانسی پر لٹکنا پڑے گا۔" اس تلخ بات نے نواب صاحب کو برافروختہ کر دیا اور انہوں نے سرکشی پر کمر باندھی۔ پہلے سرکاری ڈاک روک لی۔ یہ رنگ دیکھ کر کلکٹر صاحب میرٹھ چلے گئے۔ اس کے بعد نواب نے میدان خالی پا کر محمد اسماعیل خاں کو پچاس سوار اور چالیس تلنگوں اور ایک توپ دے کر بلند شہر کے قبضہ و انتظام کے واسطے روانہ کیا۔ انہوں نے جاتے ہی قبضہ کر لیا۔ کلکٹر صاحب کسی ضرورت سے پھر لوٹ کر شہر آئے۔ اسماعیل خاں ڈٹے ہوئے تھے۔ ان سے اور ان سے چار آنکھیں ہوئیں۔ اسماعیل خاں نے سمجھایا مگر کلکٹر صاحب نے طمنچہ سے پہل کی۔ اس پر تلنگے بگڑ بیٹھے۔ آخر ش ہاپوڑ معہ دو سو سواروں کے کلکٹر صاحب چلے

گئے(53)۔

نواب نے محمد اسماعیل خاں کو بلا کر ایمن گوجر جس کے ساتھ ایک ہزار گوجر تھے‘ اس کی ہمراہی میں موضع کلی بٹونہ کی طرف روانہ کیا۔ وہاں کے لوگوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ محمد اسماعیل خاں زخمی ہوئے اور ایمن گوجر نے راہ فرار اختیار کی۔ مجبور ہو کر اسماعیل مالاگڈھ لوٹ آئے۔ نواب ولی داد خاں کے پاس سات ہزار سوار اور تین ہزار پیادے اور ضرورت کے لائق ہر قسم کا سامان بھی جمع ہو گیا تھا۔ اس اثناء میں مسٹر ترنیل دو سو گورے اور تین سو سوار دیسی اور چار توپیں لے کر ہاپوڑ کے میدان میں آ جمے۔ مالاگڈھ بارہ کوس پر رہ گیا تھا۔ نواب نے محمد اسماعیل اور حاجی محمد منیر خاں کی سرکردگی میں ساڑھے تین سو سوار اور دو سو پیادے موضع گلاؤٹی میں مورچہ روکنے کے لئے بھیج دیئے۔ ترنیل صاحب اپنی فوج لئے ہوئے نواب کی فوج پر آ پڑا اور مقابلہ خوب رہا مگر اسماعیل خاں کو پسپا ہونا پڑا۔ نواب صاحب کو خبر لگی۔ اس دن امیر علی خاں و امراء بہادر پسران نواب مظفر علی خاں رئیس کھیلیا چھ سو سوار اور چار سو پیادے لے کر نواب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

شیخ زین العابدین میاں ذکی شاعر کے بھائی بھی نواب صاحب کے پاس پچاس سوار کے رسالدار ہو کر آ لئے۔ غرضیکہ نواب سے اور انگریزوں سے مڈبھیڑ کچھ عرصہ رہی۔ آخرش دہلی فتح ہونے کے چند دن بعد ہی مالاگڈھ پر انگریزی فوج نے دھاوا بول دیا مقابلہ خوب رہا مگر شکست کا منہ دیکھنا ہی پڑا۔ رئیس کھیلیا اور نواب ولی داد خاں ۲۵ ستمبر کو بریلی پہنچے۔ انگریزی فوج نے مالاگڈھ کے علاقہ کو ضبط کر کے مالاگڈھ کے قلعہ کو کھود کر زمین کے برابر کر دیا۔ بلند شہر کے کلکٹر نے خان پور اور خورجہ کے اکثر لوگوں کو گرفتار کر کے دار پر چڑھایا۔ نواب صاحب روپوش ہو گئے۔ بقیہ حالات سے تاریخ خاموش ہے۔

میر نواب :۔ ابن میر تفضل حسین وکیل جو خزانہ انگریزی فوج کے ساتھ آئے تھے۔ مرزا ابوبکر کے کار فرما تھے۔ جے پور سے پکڑے گئے پھانسی لگی۔

شاہ احمد سعید نواسہ شاہ غلام علی قدس سرہ کمال الدین لکھتا ہے کہ :-

"موجو دبانی مبانی جہاد قبل از داخلہ فوج سرکار مقبرۂ نواب صدر جنگ میں جاکر رہے۔ اس کے مرید جاں فشاں خاں رسالدار ساکن سروٹھ پروانہ آزادی سرکار سے لے کر ان کو مع مولوی حیدر علی کے ساتھ کابل چلے گئے (54)۔ وہیں عمر گزار دی۔

حکیم محمد حسن خاں :- نبیرۂ نواب محبت خاں روہیلہ یہ بھی شاہجہانپور میں ان دنوں قیام پذیر تھے۔ ناظم شاہجہاں پور کے ہمنوا بن گئے۔ آخرش ہنگامہ کے نذر ہوئے۔ (55)

ذوالفقار الدولہ :- محمد نجف خاں عرف آغا سلطان نواسہ نواب خان سرشتہ بخشی گیری پر مامور تھے۔ ہنگامہ کے بعد سے پتہ نہ لگا مارے گئے یا زندہ بچے۔

نائب کپتان :- میر نواب اور کپتان دلدار خاں اولاد مجد الدولہ بہادر کپتان قدیم شاہی دویم الذکر یہ لاپتہ ہوئے۔ میر نواب کرنل میں پکڑے گئے پھانسی دی گئی۔

میر اشرف علی خاں :- فیلبان شاہی خطاب فوجدار خاں تھا۔ پانی پت میں تین سال قید رہے۔ حکیم احسن اللہ کی سفارش سے آزاد ہوئے۔

نواب شرف الدولہ :- محمد ابراہیم خاں بہادر امرائے لکھنؤ سے تھے۔ محمد علی شاہ کے عہد میں عہدۂ وزارت پر مامور ہوئے۔ مگر امجد علی شاہ کے عہد میں ریذیڈنٹ کی سفارش پر اسی سے متعلق کر دیئے گئے۔ جب واجد علی شاہ سریر آرائے مسند ہوئے' ان کی دیوانی کا حق تھا مگر واجد علی شاہ ان سے خوش نہ تھے۔ علی نقی خاں کو مدارالدولہ خطاب دے کر دیوان مقرر کیا گیا۔ ان کے حاسدوں نے نواب سے کچھ سے کچھ جڑا۔ چنانچہ ۹ ربیع الاول ۱۲۷۰ھ مرزا علی رضا بیگ کوتوال شرف الدولہ کے پاس آئے کہ آپ کے لئے اخراج کا حکم ہوا ہے۔ شرف الدولہ گاڑی میں سوار ہو کر ریذیڈنٹ کے پاس آئے۔ انہوں نے نواب کو لکھا کہ :-

"شرف الدولہ مہتمم اہل اور اتالیق فردوس منزل ہے ان کی حفاظت اور کفالت و وکالت متعلق سرکار ہے۔ یہ امر موجب ہماری توہین کا ہوا"

-(56)

واجد علی شاہ نے سنا' فرمایا کہ ہمیں بہرحال خلاف مرضی نواب گورنر کوئی امر ملحوظ خاطر نہیں۔ لہٰذا ہم اپنا حکم واپس لیتے ہیں۔ مولوی امیر علی شاہ کی شہادت کے واقعہ کے بعد معزولی واجد علی شاہ کا حکم آیا اور اشتہار ضبطی اودھ شائع ہوا۔

دسویں فروری ۱۸۵۶ء

نقل اشتہار واسطے اطلاع سکنائے ملک اودھ بموجب حکم محکم بندگان نواب مستطاب معلی القاب گورنر جنرل دام اقبالہ' کے جاری ہوا۔

واقع تاریخ ہفتم فروری ۱۸۵۶ء بموجب اس عہد نامے کے جو ۱۸۰۱ء میں موئد ہوا۔ سرکاری دولت مدار کمپنی انگریز بہادر سے حفاظت بقیہ ملک سرکار اودھ کی جملہ اندرونی و بیرونی سے اپنے ذمے قبول کر لی اور والی ملک اودھ اب سے سررشتہ بندوبست کے جاری کرنے کے واسطے معرفت اپنے اہلکاروں کے خود ذمہ دار ہوا کہ ان کے باعث سے رفاہ خلائق و حفاظت جان و مال ساکنان ملک اودھ کی حاصل ہووے۔ چنانچہ جو ذمہ داری اس عہد نامے کی رو سے سرکاری دولت مدار کمپنی انگریز بہادر کو عائد ہوئی۔ زیادہ عرصہ پچاس برس سے تعمیل اس کی وعدہ وفائی ساتھ علی الاتصال ہوتی رہی۔ اگرچہ سرکار دولت مدار درمیان عرصۂ مذکور کے جنگ و جدال متواتر میں مصروف رہی تاہم ملک اودھ کی زمین پر کوئی دشمن بیرونی قدم بھی دھرنے نے پایا اور کسی طرح کا فساد عظیم تخت اودھ کی پائے داری میں خلل انداز نہ ہوا۔ افواج سرکاری ہموارہ شاہ اودھ کے قرب و حضور میں حاضرباش رہی اور جب کبھی بہ نسبت اقتدار بادشاہی کے ناحق کسی نے دھمکی دکھلائی تو افواج مذکور سے اعانت دینے میں ہرگز دریغ نہ ہوا۔ باوجود اس معاہدۂ عظیم و استوار عہد نامہ مذکور کے جملہ والیان اودھ کی جانب سے برعکس اس کے علی الاتصال بالکلیہ تساہل و تغافل ہوتا چلا آیا اور

میثاق کے واسطے اجرائے ایسے سر رشتہ بندوبست کے ظہور میں آیا کہ وہ موجب حفاظت جان و مال رعایا و سکنائے ملک اودھ و منتج راہ ان کے کے ہووے۔ تاہم گویا وہ دیدہ و دانستہ بطور رویہ اپنے کے اس سے تجاوز و انحراف کرتے رہے۔ بسبب انحراف اس میثاق کے ممکن تھا کہ سرکاری دولت مدار کمپنی انگریز بہادر اس سے کہیں پہلے عہد نامہ مذکور کو ناجائز گردانتی اور بہ نسبت خبر گیری والیان ملک اودھ کے انکار کرتی۔ مع ھذا تا الحال سرکاری کمپنی انگریز بہادر کو اجرا ایسے امورات کا جو کہ مخل اختیار و اقتدار ایک دو دمان عالی شان کے ہو منظور نہ تھا۔ ہر چند انہوں نے رعایا کی نسبت کیسے ہی احکامات خلاف عدل و انصاف کئے ہوں مگر ہموارہ بہ نسبت کمپنی انگریز بہادر کی دوستی دواد پر قائم رہی تاہم کمپنی انگریز بہادر نے واسطے بچانے رعایائے ملک اودھ اس تعدی عظیم و پریشانی سے جو عائد حال رعایا کے علی الاتصال ہی بکمال کوشش توجہ کے بہت برس گزرے کہ گورنر جنرل بہادر لارڈ ولیم بنٹنگ نے بنظر اس کے کہ جو جدوجہد واسطے بہتری احوال رعایائے ملک اودھ پیشتر ظہور میں آئی تھی اس کی مزاحمت یا تعرض ہوا۔ حسب سر رشتہء دربار لکھنؤ اطلاع دی کہ ضرورتاً" تمام و کمال و انتظام ممالک اودھ کو باہتمام اہلکاران سرکار کمپنی کے داخل کرنا پڑے گا۔ چنانچہ جو کلمات و تنبیہہ لارڈ ولیم بنٹنگ کی جانب سے ظہور میں آئی۔ اس کو آٹھ برس کا عرصہ ہوا کہ لارڈ ہارڈنگ بہادر نے بذات خود اعادہ کیا۔ اس زبان میں والیء اودھ کو بڑے اصرار کے ساتھ سمجھایا گیا کہ آئندہ کیسا ہی واقعہ وقوع میں آوے۔ یہ بات تمام عالم پر روشن ہو گئی کہ بطور دوستانہ و بروقت مناسب تنبیہہ و آگہی دی گئی مگر بسبب تمردی و نالائقی و یا سہل انگاری وزرائے و بادشاہان اودھ کے مقاصد دوستانہ سرکار کمپنی انگریز بہادر کا رائیگاں ہوا۔ پچاس برس سے زیادہ عرصہ تک جو صلاح بے غرضانہ چشم نمائی ہائے غصبانہ مع تنبیہات و اعتراضات و تہدیدات متواتر و متوالی وقوع میں آئیں ان میں سے کوئی بھی اصلاح پذیر نہ ہوئی۔ عہد نامے کے اصل میثاق پر عمل نہ ہوا۔ شاہ اودھ کے وعدے کی تعمیل نہ ہوئی اور رعایائے ملک

اودھ اب تک بے چارہ مایوسانہ بسبب نالائقی و خیانت و تعدی برباد ہوتی ہے۔ یہ بات تمام ملک میں مشہور ہے کہ شاہ اودھ مثل اکثر والیان پیشین ملک مذکور کے اس ملک کی مہمات کے انتظام میں ینبغی مداخلت نہیں کرتے ہیں۔ تمام ممالک اودھ میں اختیار حکومت عموماً" یا تو مقربان کمین یا اشخاص جابر و خائن کو جو کارگزاری میں نالائق اور درجہ ء اعتبار سے ساقط ہیں تفویض ہوتا ہے۔ محصلان مالگزاری اپنے اپنے علاقہ جات میں سرخودی کے ساتھ حکمرانی کرکے رعایا سے بلا ماہ تعہد سابق یا حال کے جبرا" کوڑی پیشے تک مواخذہ کرتے ہیں۔ اکثر افواج شاہ اودھ بے ضبط و ربط و بسبب بد اعمالی بخشیاں افواج مشاہرے سے محروم ہیں اور اپنی معیشت کے واسطے دیہات کو گویا لوٹنے کے مجاز ہیں۔ یہاں تک کہ جس ملک کی حفاظت کے واسطے وہ متعلق ہیں اس پر وہی جابر و قاہر ہوتے ہیں۔ غول کے غول ڈاکوؤں کے علاقہ جات کو غارت کرتے ہیں۔ آئین عدل کا نام و نشان نہیں۔ ہتھیار باندھ کر خانہ جنگی اور خونریزی رات دن ہوتی رہتی ہے اور کسی جگہ لحظہ بھر بھی حفاظت جان و مال کی مطلق نہیں ہے۔ فقط اب وہ وقت آیا کہ سرکار انگریز بہادر زیادہ متحمل ان برائیوں اور خرابیوں کی نہیں ہو سکتی۔ جن کو بسبب تعلق ہونے سرکاری کے عہد نامہ مذکور کے رو سے مضبوطی حاصل ہوتی ہے اور سرکار وہ خبر گیری والیان اودھ پر کہ جس کے باعث سے صرف وہ اقتدار کہ منتج خرابیاں مذکور کا ہے' بحال و برقرار نہیں رکھ سکتی اور یہ بھی واضح ہوا کہ حفاظت سکنائے ملک مذکور کی اس تعدی عظیم سے جو کہ مدت سے لاحق ہے کسی صورت سے ممکن الوقوع نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ انتظام کلی ممالک اودھ متدام سرکار کمپنی انگریز بہادر کو مفوض ہووے اس غرض سے حسب الحکم خاص استرضائے آنریبل کورٹ آف ڈائریکٹرز یہ بات ٹھہری کہ عہد نامہ ۱۸۰۱ء میں کہ اس سے ہر ایک والی اودھ نے انحراف کیا ہے۔ آج کی تاریخ سے بتمامہ ناجائز و ساقط ہے۔ چنانچہ واجد علی شاہ' بادشاہ اودھ کو واسطے انعقاد ایک عہد نامہ جدید کے نصیحت کی گئی کہ جس کی رو سے دوام و متدام نظم و نسق کل ملک اودھ کا بلا اشتراک غیر

سرکاری کمپنی انگریز بہادر کو تفویض کیا جاوے و مراتب ضروری واسطے بحال و برقرار رکھنے منزلت و دولت و توقیر شاہ اقربا ان کی کے ظہور میں آوے۔ معہذا شاہ موصوف نے اسی عہد نامہ دوستانہ کے انعقاد سے انکار کیا۔ فقط!

ازانجا کہ شاہ اودھ واجد علی شاہ مثل جملہ اہالیان پیشین ملک اودھ کے اسی پیشاق استوار عہد نامہ ۱۸۰۱ء کی تعمیل میں سن کر یا سہل انکار یا غافل ہوا جس کی رو سے اجرا ایسے سررشتہ بندوبست کا اپنے ممالک میں کہ موجب رفاہ و خیریت رعایا کی ہو لازم گردانا گیا۔ وازانجا کہ عہد نامہ جس سے یوں ہی انحراف ہونا جائز و ساقط گردانا گیا اور چونکہ شاہ موصوف انعقاد عہد نامہ جدید سے جو کہ بجائے عہد نامہ سابق ملحوظ تھا منکر ہوا اور چونکہ شرائط عہد نامہ سابق جیسا کہ بحال تھے بہ نسبت مداخلت اہالیان کمپنی انگریز ملک اودھ میں مانع ہیں دبدون ایسے مداخلت کے اجرائے سررشتہ بندوبست شائستہ اس ملک میں ہی ممکن نہیں ہے۔ ان وجوہات سے تمام عالم کو واضح و ہویدا ہے کہ سرکار کمپنی انگریز بہادر کو سوائے دو صورت کے اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے یا تو ملک اودھ کی رعایا کو ترک کریں اور ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس معرض ظلم و تعدی میں جو کہ ظاہرا سرکار کمپنی انگریز بہادر نے بنظر شرائط منضبط عہد نامہ کو مدت تک روا رکھا یا سرکار موصوف اپنے اقتدار عظیم کو بجی ان لوگوں کے نفاذ کریں جن کی رفاہیت کے واسطے پچاس برس کے عرصہ سے دست اندازی کا وعدہ کیا گیا تھا اور تمام و کمال نظم و نسق و بندوبست ممالک اودھ ہمیشہ کے واسطے اپنے قبضہء اختیار میں کر لیویں۔ ان دونوں صورتوں میں سرکار کمپنی انگریز بہادر نے بلا تامل دوسری صورت کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذا اشتہار دیا جاتا ہے کہ آج کے دن سے نظم و نسق ممالک اودھ بلا شرکت غیرے دوام و متدام بہ قبضہ اقتدار کمپنی انگریز بہادر کے آ گیا۔ سب عامل و ناظم چکلہ دار و جملہ نوکران دربار و سب اہلکاران چہ مالی و چہ ملکی و دیوانی و فوجی و سب سپاہان دربار وغیرہ و جملہ نوکران دربار و سب اہلکاران چہ مالی و چہ ملکی و دیوانی و فوجی و سب سپاہان دربار وغیرہ و جملہ سکنائے اودھ کو لازم ہے کہ آئندہ

سرکاری کمپنی انگریز بہادر کے اہلکاران کی اطاعت و فرماں برداری کلی کرتے رہیں۔ اگر کوئی اہلکار دربار جاگیریا زمیندار یا دوسرا شخص ایسی اطاعت و فرمانبرداری سے اغماض کرے یا اگر کوئی مالگزاری کے دینے میں عذر لاوے یا اور کوئی طرح سے سرکار کمپنی انگریز بہادر کی حکومت میں تعرض و مزاحمت پہنچاوے تو شخص مذکور مفسد گنا جاوے گا اور بھی وہ معتبر نہ گنا جاوے گا اور جاگیریا اراضی اس کی ضبط کی جاوے گی اور ان لوگوں کو جو فوراً بلا عذر تابعداری سرکار کمپنی انگریز بہادر کی قبول کریں گے عامل ہوں یا اہالیان دربار یا جاگیردار یا زمیندار یا سکنائے اودھ سب سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ وہ حفاظت و لحاظ و التفات اہالیان کمپنی انگریز بہادر کے پاویں گے اور پاتے رہیں گے۔ تعین تعداد مالگزاری ازروئے انصاف بندوبست واجبی کے عمل میں آوے گا و بتدریج بابت آبادانی و آراستگی مالک اودھ کے جدوجہد برابر ہوتی رہے گی۔ ہر کسی کو بلا طرفداری احد سے عدل گستری ہوتی رہے گی جان و مال کی حفاظت کی جائے گی اور ہر ایک شخص اپنے حقوق واجبی پر بلا اندیشہ اور بلا دست اندازی کسی کے قابض و متصرف رہے گا۔ فقط!

اس اعلان نے محلات معلیٰ میں اور گھر گھر ماتم برپا کر دیا۔ نواب واجد علی شاہ نے نواب محسن الدولہ بہادر نواب منور الدولہ صحت الدولہ شرف الدولہ محمد ابراہیم خاں بھی بلائے گئے۔ مشورے ہوئے مگر سب بے سود رہا۔ آخرش نواب وزیر کو کلکتہ جانا پڑا۔ اس واقعہ کا اثر تمام شہر کے خورد و کلاں نے لیا اور غم و غصہ کا اظہار ۵۷ء میں ظہور میں آیا۔ برجیس قدر کو تخت نشین کیا۔ نگراں حضرت محل ہوئیں۔ شرف الدولہ کو نیابت کا عہد تجویز ہوا انہوں نے کہا کہ :-

"میں قدیم سے اس گھر کا دولت خواہ ہوں۔ کاروبار سرکار بجا لاؤں گا مگر خلعت نیابت نہ لوں گا" (57)۔

مجبور کیا گیا اور وزارت کا عہدہ سنبھالا اس کے بعد ہر ایک مشورہ میں شریک برجیس قدر کے رہے۔ حضرت محل نے لکھنؤ چھوڑا۔ شرف الدولہ کے گھر اتریں اور

ان سے کہا، تم میرے ساتھ چلو۔ انہوں نے عرض کیا، آپ تشریف لیجائیں۔ میں فوج جمع کر کے عقب میں حاضر ہوتا ہوں۔ ان کے جاتے ہی یہ گھر سے چلے۔ رفیق الدولہ کی سبیل کے پاس گئے تھے۔ تلنگوں نے پکڑ لیا۔ اتنے میں مسٹر کارنگی فاتحانہ طور سے شہر پر قبضہ کر کے گشت کرتے ہوئے آ نکلے۔ دو شخص تلوار لئے شرف الدولہ کو گھیرے کھڑے ہوئے تھے۔ نماز کا وقت آیا۔ یہ نماز میں مشغول ہوئے۔ ایک نے گولی ماری، دوسرے نے تلوار کا وار کیا، کارنگی صاحب نے عنایت علی سے جو موجود تھا پوچھا یہ کس کی لاش ہے۔ اس نے کہا۔ نواب شرف الدولہ کی۔ حکم دیا خاکروب اٹھا کر ایک گڑھے میں ڈال دیں(58)۔ غرضیکہ اس طرح یہ شہید وطن پیوند خاک ہوا۔

تاریخ شہادت نواب شرف الدولہ بہادر

۲ شعبان ۱۸۷۴ء

شرف الدولہ فلک مرتبہ ہمنام جلیل
صاحب خلق و حیا منصف و فیاض حلیم
چوں بدر گاہ ضیا بار جناب عباس
شد قتیل ستم لشکر غدار لئیم
ماند بے گور و کفن جسم شریفش برخاک
شد رواں روح بہ لطفش سوئے فردوس مقیم
آرے آری شہدا راز عنایات خدا
کفن از صلہ بود غسل نو آب تسنیم
زمزم کعبہ ازیں واقعہ شد چشم پر آب
پشت محراب دو تا گشت ازیں رنج عظیم
بدل چاک رقم کرد شجاعت تاریخ
شد سید پوش حرم از الم ابراہیم

(59)

آغا مرزا اکمل پوش :- واجد علی شاہ کے زرہ پوشوں میں ملازم تھا۔ معزول بادشاہ سے ملول رہا کرتا کہ ہنگامہ رونما ہوا ان کے ہمراہ چھوٹے خاں رنگ پوش حوض علی وغیرہ شریک شورش ہوئے۔ آغا کے مکان کے برابر منڈسن کرانی محافظ دفتر گبنس صاحب فنیشل کمشنر کا آوردہ رہتا تھا۔ وہ برآمدے میں بیٹھا تھا۔ اس نے کہا' آغا کس ہنگامہء فساد کی فکر میں ہو۔ عبث تمہارا گمان غلط ہے۔ کچھ تم سے نہ ہو سکے گا۔ آغا مرزا نے ترشی سے جواب دیا۔ جس پر منڈسن نے گولی چلائی۔ یہ بچ گئے' پھر تو اس پر ٹوٹ پڑے۔ کام تمام کیا اور عیش باغ پہنچ کر جہاں پندرہ سو آدمی جمع ہو چکے تھے۔ نشان محمدی اٹھا کر چوک ہو کر امام باڑے نواب آصف الدولہ کے بہادر گئے۔ وہاں سے گاؤ گھاٹ کی راہ چلے اور حسین آباد پہنچے۔ یہاں سرکاری تلنگوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ آغا مرزا مجروح ہوئے اور گرفتار ہو گئے۔ طالب یار خاں بھی شریک تھے۔ وہ بھی گرفتار ہوئے ان کے ساتھی عوض بیگ بھی تھے۔ اکبر دروازہ پر ان سب کو ۱۴ آدمیوں کے دار پر کھینچ دیا گیا۔

کاظم علی خاں کنبوہ :- فیض آباد میں تحصیلدار تھے۔ یہ ملیح آباد گئے۔ انہوں نے ازراہ ہمدردی کپتان ویسٹن کو بچایا اور خزانہ بیلی گارڈ میں پہنچا مگر قومی جوش میں آکر دربار برجیسی کے ایک رکن اور ناناراؤ پیشوا بٹھور کی طرف سے وکیل مطلق بن گئے۔ کرنیل چمبرلین نے بعد ہنگامہ ان کی سفارش کی مگر شنوائی نہ ہوئی۔ آگے کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

چودھری حشمت علی :- سندیلہ کے رئیس تھے۔ برجیس قدر کی معاونت کے لئے ایک ہزار فوج لے کر آئے اور انگریزوں کے مقابلہ میں داد شجاعت دیتے رہے ان کے شریک میر منصب علی رسول آبادی اور راجہ دیبی بخش سنگھ رئیس گونڈہ آنندی اور خوشحال زمیندار گوسائیں گنج' راجہ سکھ درشن سمرو تھ دس ہزار کی فوج سے ہمنوا

ہوئے۔ سجرام بخش نے بھی ساتھ دیا۔ راجہ مال مادھو سنگھ بہادر تعلقدار مٹھی، رانا بنی مادھو بخش سنگھ پنواڑہ یہ سب لوگ اپنی اپنی فوج سمت چودھری حشمت علی کے شریک ہوئے بعد تسلط انگریز اکثر کو پھانسیاں بعض کو کالا پانی ہوا اور جائیدادیں ضبطی میں آئیں۔

عباس مرزا :- ابن میر احمد داماد مرزائی بیگم مصاحبہ حضرت محل کو سفارت دہلی پر مقرر کیا۔ سازوسامان کے ساتھ لکھنؤ سے دہلی پہنچے۔ نواب زینت محل صاحبہ کی معرفت بحضور ظل سبحانی خلیفہ الرحمانی پیش ہوئے۔ برجیس قدر کا عریضہ ملاحظہ سے گزرنا۔ تحفہ تحائف نذر کیے حضور والا نے درخواست پر نسپل سے خود ارقام فرمایا۔

"فرزند ارجمند برجیس قدر شاہ اودھ آفرین ہو کہ چھوٹے سے سن میں تم نے بڑا نام کیا۔ پیچھے سے تمہارے واسطے مہر اور خطاب بھیجے جائیں گے۔ خاطر جمع رکھو جو ملک قدیم تمہارا تھا اس سے زیادہ عطا ہو گا(60)۔

سفیر صاحب کی باریابی کے چند روز بعد ۲۸ محرم ۱۲۷۴ھ کو بادشاہ قلعہ سے مقبرہ ہمایوں تشریف لے آئے۔ انگریزی قبضہ پر ہونے لگا۔ عباس مرزا بسیار خرابی لکھنؤ آئے۔ حضرت محل سے تمام حالات گوش گزار کیے۔ یہاں کی بساط الٹ چکی تھی یہ بھی انگریزی شکنجہ میں آئے۔ عتاب نازل ہوا آخر کار جان سے گئے۔

معین الدولہ :۔ عمدۃ الامراء صدر الملک سید ذوالفقار الدین حیدر نظارت خاں بہادر ذوالفقار جنگ المشہور حسین مرزا ابن مبارز الدولہ ممتاز الملک نواب حسام الدین حیدر خاں بہادر حسام جنگ رئیس دہلی لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ معین الدولہ کے روابط مرزا غالب سے بہت تھے۔ ۱۸۴۶ء میں انتقال ہوا۔ حسین مرزا کے بھائی آغا حیدر مرزا ناظر بہادر شاہ کے داماد تھے۔ ناظر صاحب کے انتقال کے بعد نظارت کا کام حسین مرزا کے سپرد ہوا۔ ہنگامہ کے بعد ان کے بزرگوں کا اثاثہ بے طرح لوٹا گیا۔ حسین مرزا سخت پریشانی میں مبتلا رہے۔ مرزا غالب ان کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ان کے ہی بھانجے یوسف مرزا تھے۔

منشی رسول بخش :۔ قصبہ کاکورے کے رہنے والے تھے۔ ان کے صاحبزادے میر عباس تھانہ دار یہ بھی انگریزوں سے مخاصمت رکھتے تھے اور اپنی حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ ان کے ایک ساتھی صوبہ دار نے کارنگی صاحب کو خبر کردی۔ محمود خاں کوتوال پہنچے' ان کو گرفتار کرلیا اور دار پر چڑھا دیا اور مال و اسباب ضبط ہوا' جس کا نیلام کیا گیا۔ مرزا فرخندہ بخش شاہزادے نے جس کو خرید کیا(61)۔

نواب احمد قلی خاں :۔ ابن نواب عباس قلی خاں امرائے دہلی سے تھے۔ نواب زینت محل ان کی صاحبزادی تھیں۔ دربار بہادر شاہی کے رکن تھے۔ کچھ عرصہ وزارت بھی کی۔ بادشاہ کی نظربندی کے بعد پانی پت چلے گئے۔ وہیں گرفتار ہوئے۔ دہلی آکر قید کیے گئے۔ وہیں قید ہستی سے آزاد ہوئے۔ لاکھ روپیہ کا گھر ضبط سرکار ہوا۔

نواب عبدالرحمٰن خاں :۔ جھجر کے نواب تھے۔ علمی ذوق و شوق رکھتے تھے۔ مولانا فضل حق کو پانصد روپیہ ماہوار پر اپنے پاس بلایا۔ ان کے والد بھی علماء کے قدر دان تھے۔ جنگ آزادی میں بڑا حصہ لیا۔ آخر گرفتار ہوئے کچھ عرصہ دیوان عام میں قید رہے پھر دار کے سزاوار ہوئے۔ ان کے سسر عبدالصمد خاں ڈھائی سو سواروں

کے افسر بادشاہی فوج کے ساتھ رہ کر انگریزوں سے نبرد آزمائی کرتے رہے۔ پھر لاپتہ ہو گئے۔

محمد علی خاں :- خلف نواب شیر خاں چیلوں کے کوچہ میں سکونت تھی۔ نواب بہادر جنگ کے پرگنہ کے رئیس تھے۔ گولی کا نشانہ بنے۔

نواب اکبر خاں :- ابن فیض اللہ خاں بنگش اور ہنگامہ کے بعد چلتے ہوئے وہیں گرفتار ہوئے اور گوڑ گاؤں لاکر دار پر لٹکا دیئے گئے۔

نواب مظفر الدولہ :- اور حسین مرزا ابن نواب حسام الدین حیدر ابن آغا محمد شفیع حسین مرزا ناظر العہدہ نظارت قلعہ میں متعلق تھے۔ مظفر الدولہ الور چلے گئے' وہیں گرفتار ہوئے اور گوڑ گاؤں میں گولی کا نشانہ بنے ان کے برادر زادہ طالع یار خاں اصغر یار خاں خلف حسین مرزا ناظر نوجوان اور خوبصورت الور میں گرفتار ہوئے۔ ایک سو آٹھ قیدیوں کے ساتھ دہلی لاکر قید کیا اور دو ماہ بعد بلا قصور دار پر چڑھا دیئے گئے(62)۔

نواب میر خاں :- خلف نواب مرتضیٰ خاں جاگیردار پلول معہ اپنے نوجوان صاحبزادے عثمان الور میں گرفتار ہوئے۔ نواب میر خاں گڑ گاؤں لائے گئے۔ بحکم مسٹر مورث کلکٹر نشانہ تفنگ اجل ہوئے(63)۔

مرزا عبداللہ :- صاحب عالم کے دربار کے رکن رکین تھے اس بناء پر پھانسی دی گئی۔

امیر مرزا خلف محمد :- حاجی جان صاحب عالم مرزا مغل سپہ سالار اعظم کے مشیر کار تھے کوچہ چیلاں میں قیام تھا الور سے گرفتار ہوئے گوڑ گاؤں میں مارے گئے۔

میر محمد حسین خلف :- میر خیراتی سررشتہ دار محکمہ ایجنسی الور مرزا مغل بیگ کے ملازم ہو گئے پہلے جنرل بخت خاں کی سرکار میں منسلک تھے۔ الور میں گرفتار ہوئے۔ دہلی لاکر کوتوالی میں دو ماہ قید رکھا پھر پھانسی دی گئی۔

حکیم عبدالحق :- ابن حکیم حسن بخش بلب گڈھ کی دیوانی پر مقرر تھے یہ بھی دار پر چڑھا دیئے گئے۔

قاضی فیض اللہ :- کشمیری صدر الصدور کی کچہری میں سرشتہ دار تھے۔ ہنگامہ کے زمانہ میں کوتوال دہلی گئے تھے اس جرم پر پھانسی دے دی گئی۔

نواب محمد حسین خاں :- ابن نواب ارتضا خاں مرزا خضر سلطان کے نائب تھے۔ جھجر میں گرفتار ہوئے پھر پھانسی کی سزا ہوئی۔

عبدالصمد خاں :- ابن علی محمد خاں بادشاہ کی فوج میں رسالدار تھے۔ پھر واجد علی شاہ کے یہاں افسر فوج ہوئے پھر الور گئے وہاں سے دلی آئے اور گولی کا نشانہ بنے۔

دلدار علی خاں :- کپتان ساکن دہلی پانی پت سے گرفتار ہو کر لائے گئے اور ۱۷ جون ۵۸ء کو پھانسی دی گئی۔

میاں حسن عسکری :- صوفی شاہ سلیمان قدس سرہ کے خلفا سے تھے۔ بادشاہ بہت معتقد تھے۔ بخت خاں جنرل کو تلوار بطور تبرک عطا کی۔ پندرہ شوال ۱۲۷۴ھ کو پھانسی پر لٹکا دیئے گئے۔

نواب احمد علی خاں :- رئیس فرخ نگر اپنے بھائی علی خاں ابن نواب مظفر علی کی جگہ گدی نشین ہوئے تھے۔ انہوں نے بہادر شاہ کی روپیہ سے مدد کی تھی۔ اس بناء پر علاقہ ضبط ہوا اور ستمبر ۵۸ء کو پھانسی دی گئی۔ ان کے چچا نواب غلام محمد خاں ٹونک سے گرفتار کر کے لائے اور قید ہوئے۔

نواب مجید الدین احمد خاں :- عرف نواب مجو خاں خلف نواب محمد الدین احمد خاں مراد آبادی مکاتیب غالب کے نوٹ میں مولوی ممتاز علی خاں صاحب عرشی لکھتے ہیں۔

"ان کے آباؤ و اجداد میں سے ایک بزرگ قاضی عصمت اللہ فاروقی تھے

یہ نواب عصمت اللہ خاں بہادر کے لقب سے مفتخر اور عہد عالمگیری میں مختلف صوبوں کے گورنر رہ چکے تھے۔ خود نواب مجو خاں بھی بہت بڑی جاگیر کے وارث تھے۔"

نواب مجو خاں میں جہاں امارت تھی' اس کے ساتھ تہور اور شجاع بھی تھے۔ دولت کا یہ عالم تھا کہ اشرفیوں سے دیگیں بھری رہتیں' جو تہہ خانوں میں رکھی رہتیں۔ سید محسن علی برادر منشی ولایت علی انجز مراد آبادی بیان کرتے تھے کہ نواب مجو خاں کا دربار لگا کرتا۔ تمام عمائد شہر شریک ہوئے۔ آئے دن ان کے یہاں بڑے پیانہ پر دعوت ہوا کرتی۔ نواب صاحب مخیر بہت تھے۔ ان کے ایک بھائی نواب سعید الدین احمد خاں صاحب تھے۔ مرزا غالب مراد آباد گئے تو انہیں کے پاس ٹھہرے۔ خود مرزا صاحب لکھتے ہیں:-

"سعید الدین احمد خاں صاحب نے وہ تکریم و تعظیم کی میرے ارزش سے زیادہ تھی"(64)-

نواب مجو خاں کے ایک مخلص دوست تھے' چودھری عبدالقادر۔ عرب خاندان سے تھے۔ پہلوانی کا شوق تھا اور اپنے معاصر پہلوانوں میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ نواب صاحب اور چودھری صاحب ایک جان دو قالب تھے۔ ہنگامہ ۵۷ء میں مراد آباد میں ان ہر دو بزرگوں نے نوائے آزادی بلند کیا۔ بہت کچھ چپقلش رہی۔ آخرش ہنگامہ فرو ہوا تو نواب صاحب تہہ خانہ میں سات تالوں میں روپوش ہوئے اور چودھری صاحب معہ اہل خاندان کے اپنے محلہ اصالت پورہ سے دوسری جگہ مقیم ہوئے۔ فوج ڈھونڈتی ہوئی پہنچی زنان خانہ میں گھس رہی تھی۔ چودھری صاحب کمرے سے اتر آئے اور کہا میں موجود ہوں اور اپنے کو سپرد کر دیا۔ ان سے دریافت کیا نواب کہاں ہیں۔ چنانچہ نواب صاحب کے مکان پر جا کر کہا' چودھری گرفتار ہو چکا۔ اب تم بھی پردہ میں نہ رہو۔ روپوش رہنا بہادری نہیں ہے۔ چنانچہ نواب صاحب تالے کھولتے ہوئے آگئے اور حراست میں لے لئے گئے۔ چودھری صاحب

اور نواب صاحب کو پھانسی دی گئی اور جائیداد ضبط ہوئی۔

شاہزادہ محمد عظیم :- ابن جہاں اختر ابن شاہزادہ سنجر بن احمد شاہ درانی رہتک میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ پر سرفراز تھے۔ اس ہنگامہ میں شریک ہو کر بادشاہ سے فوج لے کے رہتک پر قبضہ کیا۔ حکام نے ان کے اہل و عیال کو گرفتار کر کے ہانسی بھیج دیا۔ بادشاہ نے ان کو طلب کیا اس کے دوسرے دن حضور شاہ مقبرہ ہمایوں چلے گئے۔ یہ فوج ہمراہی کو لے کر متھرا ہوتے ہوئے بریلی گئے اور وہاں سے حضرت محل کے پاس ہوتے ہوئے تلیٹی نیپال چلے گئے۔ پھر ان کا پتہ نہ لگا مرے یا جیے۔

نواب ممو خاں بہادر

میر واجد علی ممو خاں الملقب علی محمد خاں بہادر داروغہ دیوان خاص شجاع اور بہادر شخص تھا۔ برجیس قدر کو تخت پر بٹھانے میں ممو خاں کی کارفرمائی کو زیادہ دخل ہے، عزل واجد علی شاہ سے انگریزوں سے اس کو عناد قلبی تھا۔ چنانچہ لکھنؤ میں جو کچھ ہنگامہ آرائی رہی اس میں حضرت محل مولوی احمد اللہ شاہ اور ممو خاں کی سعی کو دخل ہے۔ ان پر حضرت محل پورا بھروسہ کرتی تھیں اور اس نے بھی قیام حکومت برجیس کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی تھی۔ جب حضرت محل مقابلہ سے ناکامیاب ہوئیں اور نئے کوٹ میں داخل ہوئیں۔ ممو خاں ساتھ تھے۔ جنگ بہادر سپہ سالار نیپال نے حضرت محل اور برجیس قدر کو تو اپنے پاس رکھا۔ باقی ہمراہیوں کو رخصت کر دیا۔

نواب ممو خاں اس خیال میں رہے کہ جناب عالیہ حضرت محل نے میرے لئے اجازت لے لی ہوگی۔ تو نیپالیوں کے کیمپ کے قریب آ گئے۔ نیپالی ایک گھاٹی پر مقیم تھے۔ بم بہادر بھائی مہاراجہ جنگ بہادر معہ پلٹن کے وہاں تھا۔ وہ ممو خاں کے آگے بڑھنے پر مانع آیا اور ان کو ٹھہرا لیا اور کہا جنگ بہادر کو لکھتے ہیں، اجازت پر آپ کو آگے جانے دیا جائے گا۔ ممو خاں مطمئن ہو گئے۔ جنگ بہادر خود آیا ان سے ملاقات

کی۔ اتنے میں بیل صاحب کمان افسر تھوڑی فوج سے لباس عربی میں آ کودے اور ان کو جنگ بہادر کے اشارے پر گرفتار لیا۔ ساتھی جنگلوں میں چلتے ہوئے۔ ۱۷ دسمبر ۱۸۵۹ء کو داخل جیل خانہ ہوئے۔ مقدمہ چلا' پھانسی کی سزا تجویز ہوئی۔ اپیل کیمبل صاحب جوڈیشنل کمشنر نے سنی اور حکم پھانسی منسوخ کر کے حکم دریائے شور دیا۔ جزیرہ انڈمن روانہ کر دیئے گئے۔ دوکان کرلی تھی۔ یہی بسر اوقات کا ذریعہ تھا۔ وہیں انتقال ہوا(65)۔

میر محمد حسین خان گورکھپوری

میر محمد حسین خاں ناظم گونڈہ و بہڑائچ تھے۔ لکھنؤ سے ہنگامہ کی خبر سن کر گورکھ پور جانے کا ارادہ کر رہے تھے۔ کرنیل سنیتھ صاحب معہ میم اور بچوں کے فیض آباد بھاگ کر آ گئے اور ایک جگہ چھپ گئے۔ میر علی حسین داروغہ اور میر احمد علی ماموے میر مہدی حسین خاں کو معلوم ہوا۔ ناظم کے پاس گئے ان سے حال کہا۔ انہوں نے کہا ان سب کو لے آؤ چنانچہ وہ آ گئے تو کرنیل صاحب کو اعزاز و اکرام سے بٹھایا اور کھانا گھر میں سے منگوا کر سب کو کھلوایا اور ایک مکان خاص رہنے کو دیا مگر لباس ہندوستانی تبدیل کرنے کو کہا۔ کچھ عرصہ بعد اعظم گڑھ سب کو بھیج دیا۔ وہاں سے شکریہ کی چٹھی آئی۔ مسٹر برڈ صاحب ڈپٹی کمشنر گورکھپور نے ان کو مطلع کیا۔ سات لاکھ روپیہ ہمارے پاس ہے۔ یہاں چلے آؤ اور سارے علاقے کا بندوبست تمہارے ذمہ ہے۔ میر محمد حسین نے توجہ نہ کی' بلکہ پانچ ہزار فوج سپاہ کی جمعیت سے گورکھپور کو کوچ کیا۔ خلیل آباد دس کوس پر ہے۔ وہاں سے اور آگے پہنچے۔ برڈ صاحب مضطرب ہو کر ۶ ہزار فوج اور کرانچی میں خزانہ لے کر اعظم گڑھ کی راہ لی۔ ہر دو میں ایک مقام پر مڈبھیڑ ہو گئی۔ ناظم صاحب غالب آئے۔ مسٹر برڈ خزانہ چھوڑ کر چلتے ہوئے۔ اس کے ہمراہی ٹوٹ پڑے اور دشمن کی طرف سے غفلت برتی۔ برڈ صاحب نے موقع سے فائدہ اٹھا کر شب خون مارا۔ ناظم صاحب کے سپاہی کثیر التعداد

کھپت رہے۔ آخرش، جان بچا کر بقیہ فوج کو لے کر گورکھپور آئے۔ مسٹر برڈ دوبارہ خزانہ لے کر اعظم گڑھ چلتے ہوئے۔ یہاں میدان خالی تھا۔ مولوی سرفراز علی امیر المجاہدین نے کارگذاری کی تھی مگر جنرل بخت کے بلانے پر دہلی چلے گئے۔ کوئی انتظام کرنے والا نہ رہا۔ ناظم صاحب نے آکر گورکھپور پر اپنی حکومت قائم کی۔ ۲۵ ہزار بندوقچی ملازم رہے۔ جیل خانہ سے تمام قیدی چھوڑ دیئے گئے اور ہر ایک کو کام پر لگایا اور کارخانے کھول دیئے۔ جیل خانہ میں میگزین رکھا گیا۔ ۸۰ یا ۱۰ توپیں بھی حاصل کرلیں۔ ۲۶ ہزار روپیہ یومیہ خیرات پر تقسیم کیا جاتا۔ دربار جمنے لگا۔ ایک درخواست سرکار برجیس قدر کی خدمت میں بھیجی گئی۔ وہاں سے خلعت سرفرازی مع خطاب مقرب الدولہ میر محمد حسین خاں عنایت ہوا۔ ناظم نے چند روزہ دادوستد کی۔ لکھنؤ سے بھاگ بھاگ کر کثرت سے لوگ آگئے۔ ان کو عزت و توقیر سے رکھا۔

تیاری میگزین و قلعہ دوہس کی ہونے لگی۔ ہزار مزدور کام پر لگائے گئے۔ وکیل مہاراجہ شیر جنگ بہادر وزیر اعظم و سپہ سالار ملک نیپال سے تعلقات پیدا کرنا چاہتے تھے۔ مگر وہ الگ تھلگ رہا۔ مگر تلنگوں نے لوٹ مار کا بازار گرم رکھا۔ ناظم کی کوئی بات نہ چلی۔ یہاں کی بدنظمی سے اطلاع پاکر مسٹر ونیگفیلڈ کمشنر نہرائچ اور برڈ صاحب کلکٹر گورکھپور کے پاس فوج راجہ بلرام پور کے ساتھ ہوئی اور مہاراجہ جنگ بہادر نے بھی اپنے کارواں بھیج دیئے۔ سب نے مل کر ناظم صاحب پر حلہ بول دیا۔ مہاراجہ جگن بہادر کی طرف غافل تھے۔ آخرش سخت مقابلہ ہوا اور ناظم صاحب نے شکست پائی۔ راجہ مان سنگھ نے کچھ دستگیری کی مگر انہوں نے بھی نگاہیں یکایک بدل لیں۔ آخرش نادر مرزا کو ساتھ لے کر لانڈی میں حضرت محل کے پاس چلے آئے۔ وہ خود نیپال جا رہی تھیں۔ غرضیکہ جنگل کا رستہ لیا۔ اعلان اماں بخشی پر میر مہدی حسن خاں اور ناظم صاحب میر دوست علی وغیرہ نمودار ہوئے۔ ناظم صاحب پر مقدمہ چلا۔ توقع تھی پھانسی لگے گی، مگر کرنل صاحب مذکور نے احسان کا بدلہ دیا اور ان کی جاں بخشی ہوئی۔(66)

لال بہادر خاں میواتی

لال بہادر خاں میواتی صوبہ دار علاقہ الور کا رہنے والا تھا۔ راجہ الور کے یہاں ملازم رہا۔ پھر گورنمنٹ میں بھی ملازمت کی۔ اس کے رشتہ دار فتح پور سیکری میں رہتے تھے۔ وہ الور سے فتح پور ہنگامہ میرٹھ سن کر آیا۔ ادھر ۳۰ مئی ۵۷ء کو دو پلٹنیں رجمنٹ نمبر ۴۴۔۶۷ سے تعلق رکھتی ہیں' خزانہ کی محافظت کے واسطے متھرا کو گئیں۔ کھلم کھلا باغی ہو کر دہلی کو چلتی ہوئیں۔ ۱۵ جون کو گوالیار میں ہنگامہ ہوا۔ ۳ جولائی کو انگریز مصلحت سے تعداد ۵۸۰۰ یورپین عیسائی قلعہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ دو دن بعد نیمچ اور نصیر آباد کے فوجی آگرہ آئے۔ موضع سو چلیہ پر ایک مختصر انگریزی فوج سے جھڑپ ہوئی جو پسپا ہوئی پھر شہر میں داخل ہو کر لوٹ مار کی۔ انہی دنوں میں لال خاں آگیا۔ قلعہ تک پہنچ کر لوٹا۔ لیفٹیننٹ گورنر جان کوب کو ہیضہ ہوا۔ قلعہ میں دفن ہوئے۔ ماہ ستمبر میں بعد غلبہ دہلی کرنیل گریٹھد صاحب فوج لے کر دہلی سے آگرہ آ گئے۔ یہاں سے ہنگامی فتح پور میں مورچہ جما کر لڑے۔ ۲۰ نومبر تک ان کا تسلط رہا۔ میواتی جانباز نکلے۔ آخرش ۴ فروری ۵۸ء کو انگریزی تسلط ہوا(67) اور میواتیوں کو انگریزی فوج نے تباہ و برباد کر دیا۔ آگرہ سے سرگروہ دولہ شاہ تارکش تھے۔ ان کو پھانسی لگی لال بہادر ہاتھ نہیں لگا۔

غلام فخر الدین :- ابن علی بخش خاں انجور مرزا غالب کے بھائی مرزا یوسف خاں کے داماد تھے۔ بہادر شاہ کی جاگیر کوٹ قائم کے ناظم تھے۔ یہ بھی گرفتار ہوئے۔ ان کے متعلق مرزا صاحب ایک خط میں لکھتے ہیں:-

"غلام فخر الدین خاں کی دو روبکاریاں ہوئیں ہیں۔ صورت اچھی ہے' خدا چاہے تو رہائی ہو جائے"(68)۔ چنانچہ رہا ہو گئے۔

کوتوال شرف الحق فاروقی :- وطن تھانیسر تھا' دلی آ رہے۔ دربار شاہی سے منسلک تھے۔ ہنگامہ ۵۷ء میں شہر کے کوتوال مقرر ہوئے۔ بڑے تخلخہ سے شہر کا انتظام

کیا۔ بعد تغلب یہ بھی عتاب کے نذر ہوئے۔

نواب زینت محل :۔ نواب احمد قلی خاں ابن نواب عباس قلی خاں کی صاحبزادی تھیں۔ ان کے دادا شاہ ولی داد خاں وزیر احمد شاہ ابدالی تھے۔ حسن میں نور جہاں ثانی تھیں۔ بہادر شاہ کی محبوب بیوی تھیں۔ جہاں بخت ان کے صاحبزادے تھے۔ زینت محل بڑی عاقل خاتون اور سیاست ملکی خوب سمجھتی تھیں۔ ہنگامہ ۵۷ء میں مشورہ میں شریک رہیں۔ مرزا الٰہی بخش کے کہنے میں اکثر مصیبتیں مول لیں۔ آخرش ۲۸ مارچ چہار شنبہ ۱۲۷۵ھ بحراست فوج انگریزی چھ سوار گورے ایک توپ خانہ نواب زینت محل بادشاہ کے ساتھ رنگون گئیں۔ نواب تاج محل۔ خیرا" بائی۔ ظہورا" بائی۔ مرزا جواں بخت بہادر شاہزادہ' مزار شاہ عباس مرزا قیصر موسوم .فلاح قبر پر ستار شاہ مرزا سلیمان شکوہ نواب شاہ آبادی بیگم زوجہ مرزا نوجوان بخت اور ان کے سالے ولایت علی بیگ مرزا عبداللہ بطن خیرا" بائی سے تھے۔ احمد بیگ آبدار باسط علی ۱۶ نفوس زن و مرد بادشاہ کے ساتھ رنگون گئے۔ ۲۷ ہزار اہل اسلام کو پھانسی لگی۔ کمال الدین حیدر نے قیصر التواریخ میں لکھا ہے:۔

"فوج باغی ۸ ہزار' فوج انگریزی ۱۸ سو اور ۵ ہزار گورے ۲۵ ہزار ہندوستانی اس ہنگامہ میں مارے گئے" (70)۔

بہادر شاہ بادشاہ ۷ نومبر ۱۸۶۲ء مطابق ۱۴ جمادی الاول بروز جمعہ (71) کے دن قید فرنگ و قید جسم سے آزاد ہوئے۔ ان کی خاتون نے بھی رنگون میں انتقال کیا۔ بادشاہ کے پہلو میں دفن ہوئیں۔

تاج محل وغیرہ کے متعلق مرزا غالب ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"تاج محل (بیگم بہادر شاہ مرحوم) مرزا قیصر اور مرزا جواں بخت کے سالے ولایت علی بیگ ۔ جے پوری کی زوجہ ان سب کی الہ آباد رہائی ہو گئی۔ دیکھئے کیمپ میں رہیں یا لندن جائیں۔"

نواب حامد علی خاں :۔ اعتماد الدولہ میر فضل علی وزیر نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ

کے داماد تھے۔ اعتماد الدولہ کے بعد دہلی چلے آئے۔ بیوی کے ترکہ سے ۹ لاکھ روپیہ ملا تھا۔ خزانہ میں داخل کرا دیا اور ساڑھے چار ہزار ماہانہ ملتا تھا۔ غدر میں ان پر بڑی آفتیں نازل ہوئیں۔ جائیداد ضبط ہوئی اور محل سرا اور کوٹھی ڈھا دی گئی(72)۔ ۱۴ ماہ حوالات میں رہے فروری ۱۸۵۹ء میں رہائی ہوئی۔

ضیاء الدولہ :- ابن حکیم رکن الدولہ پانسو روپیہ کی املاک قرق ہوئی' تباہ و برباد ہوئے۔ پانی پت چلے گئے۔ وہاں سے گرفتار ہو کر آئے۔

میر احمد حسین میکش :- مرزا غالب کے عزیز شاگرد تھے۔ مرزا صاحب ۷ فروری ۵۸ء کے ایک خط میں میکش کے متعلق لکھتے ہیں:-

> "سلطان' جی میں تھا اب شہر میں آگیا ہے۔ دو تین بار میرے پاس بھی آیا۔ پانچ سات دن سے نہیں آیا۔ کہتا تھا کہ بی بی کو اور لڑکے کو بہرام پور میر وزیر علی کے پاس بھیج دیا ہے۔"

دوسرے خط میں لکھتے ہیں:-

> "احمد حسین میکش کا حال کچھ تم کو معلوم ہے یا نہیں؟ مخنوق ہوا (یعنی پھانسی پا گیا)(73)۔

مولانا رشید احمد :- بن مولانا ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش انصاری گنگوہی ۶ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ کو پیدا ہوئے۔ ننھیالی سلسلہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے ملتا ہے۔ ابتدائی کتب مولوی عنایت احمد سے پڑھیں۔ مولوی محمد بخش رام پوری قاضی احمد الدین جہلمی دہلوی اور مولانا مملوک علی سے فراغت علمی کی۔ مولانا محمد قاسم ہم سبق تھے۔ درس و تدریس مشغلہ تھا۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء کی لپیٹ میں یہ بھی آ گئے۔ قاضی محبوب علی خاں کی مخبری سے مولانا کی گرفتاری کا وارنٹ نکلا۔ مولانا اپنی دادھیال قصبہ رام پور چلے گئے۔ وہاں حکیم ضیاء الدین کے مکان پر قیام پذیر ہوئے۔ چند دن گذرے تھے کہ گارڈن کرنیل فرانسیسی غلام علی ساکن قصبہ ملی طور ضلع سہارنپور مخبر

کو ستر سواروں کے ساتھ لے کر گنگوہ پہنچا۔ آپ کے غمگسار ماموں زاد بھائی مولوی ابوالنصر جو صورت وضع میں مولانا سے مشابہت رکھتے تھے' مسجد کے گوشہ میں گردن جھکائے مراقبہ میں بیٹھے تھے کہ دوڑ کے سپاہی نے گردن پر زور کا ہاتھ مارا اور قبضہ کر اس طرح پکارا:۔

"چل کھڑا ہو کیا گردن جھکائے بیٹھا ہے۔"

مظلوم ابوالنصر کو پکڑ لائے اور کہا گھر کی تلاشی دلوا' کیا کیا ہتھیار ہیں؟ عرصہ تک ابوالنصر مار کھاتے اور ذلت سہتے رہے مگر یہ نہیں کہا میں نہیں ہوں اور نہ یہ کہ مولوی رشید احمد کہاں ہیں۔ حاکم کو اندازہ ہوا' ملزم یہ نہیں ہے۔ یہاں سے دوڑ رام پور پہنچی۔ حکیم ضیاء الدین کے مکان سے مولانا کو گرفتار کیا گیا۔ ۱۸۵۷ء کا آخر حصہ تھا۔

مولانا کو سہارنپور کی جیل میں قید کر دیا۔ تین چار یوم کال کوٹھڑی میں اور پندرہ دن جیل خانہ کی حوالات میں مقید رہے۔ آخر عدالت سے حکم ہوا' تھانہ بھون کا قصہ ہے اس لئے مظفر نگر منتقل کیا جائے۔ چنانچہ جنگی حراست تلواروں کے پہرہ میں براہ دیوبند چند پڑاؤ کر کے پا پیادہ مظفر نگر لائے اور حوالات کے اندر بند کر دیئے گئے۔ چھ ماہ قید رہے' آخرش چھوڑ دیئے گئے اور وطن لوٹ آئے۔

قاضی عنایت خاں :۔ ابن قاضی سعادت علی خاں رئیس اعظم اعظم زمیندار تھانہ بھون ضلع مظفر نگر قاضی سعادت علی خاں کے مرنے پر ریاست کا کام سنبھال رکھا تھا۔ ان کے چھوٹے بھائی عبدالرحیم خاں سہارنپور گئے۔ ایک بنئے نے نہکھی صاحب جو انتظام سہارنپور پر مامور تھے ان سے کہا عبدالرحیم بادشاہ دہلی کے لئے گھوڑے خریدنے آیا ہے۔ اس پر نہکھی صاحب نے ایک گارڈ بست سرائے روانہ کیا اور عبدالرحیم خاں معہ ہمراہیوں کے الزام بغاوت میں دھر لئے گئے' جیل بھیج دیا اور پھانسی پر چڑھا دیا۔ عنایت علی خاں کو یہ خبر لگی جوش حزن و ملال میں اتفاقاً" چند فوجی سوار کہاروں کے کندھوں پر کارتوسوں کی کئی بہنگیاں لادے سہارنپور سے کرانہ

کی طرف جا رہے تھے کہ قاضی صاحب بمع چند ساتھیوں کو لے کر شیر علی کے باغ کی سمت سڑک پر جا پڑے اور کارتوس لوٹ لئے۔ اس کے بعد تحصیل شاملی کو لوٹ لیا۔ چند ماہ بعد دہلی کے فتح ہو جانے کی خبر سے قاضی صاحب معہ ہمراہیوں کے تھانہ بھون آئے۔ پھر نجیب آباد چلے گئے۔ پھر ان کا پتہ نہ لگا۔ سرکاری فوج نے تھانہ بھون کی انیٹ سے اینٹ بجا دی(74)۔

مرزا عاشور بیگ :- مرزایان دہلی سے تھے۔ آپ کے والد کا نام مرزا اکبر بیگ تھا۔ عربی فارسی میں فرد فرید علوم ریاضیہ ہیئت و ہندسہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ مرزا عاشور بیگ بہادر شخص تھے۔ ہنگامہ ۵۷ء میں دستار کمربستہ بادشاہ کے پاس گئے۔ ان سے فوج طلب کی۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم کو شوق جنگ ہے تو اس فوج کے افسروں سے معاملہ کر لو۔ چنانچہ یہی ہوا۔ ایک دو پلٹنیں لے کر وہ شہر کے باہر نکلے۔ بانک پت پر گوروں سے مقابلہ ہوا اور کئی چھکڑے غنیمت لوٹ کر گھر واپس آئے۔ مرزا کے سامنے نواب ضیاء الدولہ گھر واپس آئے مرزا کے سالے نواب ضیاء الدولہ شاہی طبیب تھے۔ جب تغلب و استیلا انگریزوں کا دلی پر ہوا' مرزا عاشور بیگ معہ اپنے فرزند اکبر مرزا احمد بیگ گوروں کی جمعیتہ سے مقابل ہوئے۔ سر تھافلس مٹکاف ساتھ تھا۔ مرزا احمد بیگ نے میان سے تلوار نکالی۔ عاشور بیگ نے ان کو روک دیا اور کہا بس اب شہادت کے لئے تیار ہو جاؤ اور کلمہء توحید ورد کرو۔ سر تھافلس نے عورتوں بچوں کو جو ان کے ساتھ تھے علیحدہ کھڑا کر دیا اور مردوں کی برسن بستہ قطار کھڑی کر دی اور حکم فائر کر دیا۔ برسن بستہ قطار مثل مرغان مذبوح لوٹنے لگے(75)۔

مرزا عاشور بیگ بہت حسین و جمیل آدمی تھے۔ نہایت گورے بھبوکا رنگ' آنکھیں سنہری مائل' کرنجی ریش و بروت و موے سر گہرے بھورے اور سنہرے تھے۔ قد نہایت بلند و بالا دوہرا جسم کسرتی سانچے میں ڈھلا ہوا۔ عربی فارسی ہیئت و نجوم و ہندسہ میں مثل اپنے والد کے مشہور آفاق تھے۔ غصہ ان کے مزاج میں کمال درجہ کا تھا۔ مرید حضرت شاہ رفیع الدین کے تھے۔ محلہ کشن گنج میں دفن کئے گئے۔

نواب ضیاء الدولہ :- فرزند حکیم نواب رکن الدولہ وزیر بہادر شاہ لحیم و شحیم میانہ قد گندمی رنگ' ریش و بروت و موے سر سیاہ و سفید خوش مزاج وسیع الاخلاق کثیر الاملاک مگر ہنگامہ میں تمام گھر لٹ گیا۔ تلنگوں اور گوروں نے تنکا تک نہ چھوڑا اور املاک و جائیداد بجرم بغاوت بحق سرکار ضبط ہوئی۔ جان بچ گئی۔ لکھنؤ مرزا عباس بیگ کے پاس چلے گئے۔

راجہ تجمل حسین خاں :- تعلقدار بھٹوامئو برجیس قدر کے ہمدردوں میں سے تھے۔ راجہ صاحب دبلے سوکھے سبزہ رنگ میانہ قد سادہ مزاج اس زمانہ کے مطابق تعلیم یافتہ' ایام غدر میں اکثر راجگان ہندو و مسلمان بادشاہ کی نمک خواری کی وجہ سے انگریزوں کے مقابلہ پر کھڑے ہو گئے تھے۔ راجہ صاحب معہ اپنے ملازمین اور اہل قرابت جنرل اوٹرم کو روکنے کے واسطے عیش باغ میں صف آراء ہوئے دھوم کی لڑائی ہوئی راجہ زخموں میں چور اردگرد کثیر التعداد کشتگان مردوں میں بے ہوش پڑے رہے جب ہوش آیا درب باغ کے اندر پہنچے۔ کچھ دن بعد جنرل ہیرو نے ان کو گرفتار کیا۔ باہم جواب ترکی بہ ترکی ہوئے۔ راجہ نے بکمال جواں مردی کہا کہ ہم پر ادائے حقوق نمک خواری فرض تھا۔ رئیس اودھ کا نمک کھایا تھا لڑے' اگر تمہارا کھائیں گے تمہارا ساتھ دیں گے۔ جنرل ان کی جواں مردی پر فریفتہ ہو گیا اور ان کے لئے سفارش کی۔ آخر بری ہو گئے(76)۔

جنرل محمود خاں :- نجیب آبادی ابن نواب معین خاں ابن نواب ضابطہ خاں ابن نواب نجیب الدولہ بہادر امیرانہ طور طریق سے زندگی بسر کی۔ ۵ جون ۵۷ء کو نجیب آباد میں اپنی امارت کا اعلان کیا۔ احمد اللہ خاں نے محمدی جھنڈا لہرایا اور جلال آباد کے قریب حریت نوازوں کو ہمراہ لے کر مورچہ بنا کر بیٹھ گئے۔ شفیع اللہ خاں نے چار ہزار سپاہ فراہم کی اور احمد اللہ خاں کے ہمنوا ہو گئے۔ جنرل صاحب کا تمام قرب و جوار میں اخلاقی اثر بہت زیادہ تھا۔ بہادر شاہ نے امیر الدولہ ضیاء الملک محمد محمود خاں بہادر

مظفر جنگ خطاب سے سرفراز کیا۔ شہزادہ فیروز شاہ مراد آباد پر حملہ آور ہوئے۔ نجیب آباد سے فوج ان کے معاون ہو گئی۔ آخرش انگریز سے اور نواب سے مقابلہ ہوا۔ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ حب الوطنی کے جرم میں پھانس لئے گئے۔ مقدمہ چلا' کالے پانی کی سزا تجویز ہوئی مگر قید فرنگ میں سوتے کے سوتے رہ گئے۔ اس طرح زندگی کا خاتمہ ہوا۔(77)

محمد شفیع بریلوی :- آٹھویں سواروں کی رجمنٹ کے افسر تھے۔ مسٹر میکن زئی نے بہت چاہا محمد شفیع وطن پرستوں کی دستگیری نہ کریں مگر انہوں نے توپ خانہ بریلی پر قبضہ کیا اور علم سبز لہرا دیا اور نواب خان بہادر خاں کے ساتھیوں میں ہو کر انگریز سے لڑتے رہے(78)۔ آخری زندگی کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

نواب اصفریاب خان :- اور ان کے بھائی نواب صدر یار خاں خلف نواب طالع یار خاں شہزور اور سپاہیانہ روش کے تھے۔ ان کے والد نواب وزیر الدولہ کے اتالیق رہے۔ یہ ہر دو بھائی دلی آ گئے اور بہادر شاہ کی سرکار میں ملازم ہو گئے۔ ۵۷ء میں اصفریاب خاں نے ریذیڈنیٹ کو سخت کلامی پر جو اس نے بادشاہ سے کی تھی ثمن برج پر چڑھتے ہوئے گولی سے ٹھنڈا کر دیا۔ جب بادشاہ مقبرہ ہمایوں چلے گئے یہ دونوں بھائی الور پہنچے۔ جائیدادیں ضبط ہوئیں۔ مرزا ذکریا بیگ نے انعام کے لالچ میں الور سے گرفتار کرا دیا۔ دلی لائے گئے مقدمہ چلا اور پھانسی پر لٹکا دیئے گئے(مرزا تفضل بیگ صاحب نے یہ حالات سنائے)۔

نواب مرزا ماہ رخ بیگ خاں :- (داماد طالع یار خاں) ابن نواب مرزا بیگ خاں عماد جنگ مرزا مغل کے ساتھی تھے۔ یہ بھی الور سے گرفتار ہو کر آئے اور اپنے سالوں کے ساتھ پھانسی پائی۔ لال کنواں اور فراشخانہ کی جائیداد ضبط ہوئی۔

مولانا شاہ عبدالقادر لدھیانوی

مولانا شاہ عبدالقادر ابن مولانا عبدالوارث لدھیانوی پنجاب میں یہ خاندان علم

و فضل کے اعتبار سے بھی بلند پایہ رکھتا ہے۔ مولانا شاہ عبدالقادر ۱۸۹۶ء میں لدھیانہ سے تحصیل علم کے لئے روانہ ہوئے اور دلی آکر مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی کے درس میں شریک ہوئے ہیں۔ تکمیل کی اور تربیت روحانی پائی۔ ۱۸۲۵ء میں واپس وطن لوٹے اور رشد و ہدایت میں لگ گئے (مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کے صاحبزادے مولوی عزیز الرحمٰن جامعی سے یہ حالات معلوم ہوئے)۔

اس زمانہ میں احمد شاہ ابدالی کے پوتے شاہ زماں اور شاہ شجاع الملک انگریزی سیاست کا شکار ہو کر کابل سے لائے گئے اور لدھیانہ میں نظر بند ہوئے۔ وہ حضرت شاہ عبدالقادر کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ مولانا کو انگریزوں سے دلی نفرت تھی۔ ڈپٹی کمشنر چاہتا تھا کہ مولانا اعلیٰ عہدہ قبول کرلیں۔ اس نے انکار کردیا۔ مولانا کے حلقہء اثر میں انقلابی تحریک پنجاب کے علاقہ میں پھل پھول رہی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں مولانا اور آپ کے فاضل بیٹوں مولانا سیف الرحمٰن۔ مولانا محمد مولانا محمد عبداللہ۔ مولانا شاہ عبدالعزیزؒ نے سرکف حصہ لیا۔ مولانا معہ اہل و عیال اور اپنے مریدوں کو لے کر دہلی جنگ آزادی میں شرکت کرنے کے لئے تشریف لائے اور مسجد فتح پوری کے حجروں میں قیام کیا۔ یہیں ان کی زوجہ محترمہ کا وصال ہوا۔ جو صحن مسجد میں دفن ہوئیں، مگر پانسہ الٹ چکا تھا۔ مولانا پھر واپس وطن ہوئے۔ مگر خلوت نشین ایک عرصہ تک رہے۔ گورنمنٹ نے تلاش بہت کرائی مگر خدا نے بچائے رکھا۔ آپ نے نیشنل کانگریس کی شرکت کے لئے فتویٰ شائع فرمایا۔ آپ کے صاحبزادہ مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبداللہ اور شیخ احمد جان تاجر دہلوی جو کہ اسلحہ کے تاجر تھے۔ حکومت نے افغانستان سے سازباز کرنے کے الزام میں گرفتار کرلیا۔ شیخ صاحب جیل میں سدھارے۔ یہ لوگ مقدمہ سے بری ہوگئے۔ مولانا محمد کے صاحبزادے مولانا محمد ذکریا تھے۔ جن کے خلف الرشید فخر احرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی ہیں۔ جن کی سیاسی مساعی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ میرے دوست حکیم مولوی محمد عبدالحفیظ صاحب' ابن مولانا عبداللہ' نواسہ مولانا عبدالعزیز جو ایک عرصہ تک

مجلس احرار دہلی کے صدر رہے' مولانا شاہ عبدالقادر نے ۱۲۷۸ھ میں انتقال کیا نزانہ (پٹیالہ) میں دفن ہوئے۔

مولوی شاہ محمد حسن :- پٹنہ کے صاحب اثر حضرات میں سے تھے۔ ان کے ہمنوا مولوی احمد اللہ اور مولوی واعظ الحق جانباز لوگوں میں سے تھے۔ بہار کے راجہ کنور سنگھ صاحب نے بہار میں سیاسی سرگرمی عمل دکھائی۔ ان بزرگوں نے بھی اس کا اثر لیا۔

راجہ کنور سنگھ جگدیش :- پور صوبہ بہار کے صاحب اقتدار رئیس تھے(79)۔ پہلی جنگ آزادی میں ان کی عمر اسی سال کی تھی۔ سر بکف میدان میں اتر آئے۔ انقلابی فوج کے سردار بن گئے۔ آرہ کے خزانہ پر قبضہ کیا۔ انگریزی فوج سے مقابلہ ہوا۔ لارڈ کنگ گھبرا گئے۔ بنارس آکر لارڈ مارک کی فوج سے بھڑے۔ راجہ مثل بجلی کے ادھر سے ادھر کوندتے پھرتے تھے۔ بلیا کے قریب ایک ہاتھ میں گولی لگی۔ اس کو اپنی تلوار سے کاٹ کر پھینک دیا۔ آٹھ ماہ جنگ کرنے کے بعد اپنی راجدھانی پر قبضہ کیا۔ مگر قسمت سے پانسہ الٹ گیا۔ ان کو بھی نیپال کی ترائی میں جانا پڑا۔ وہیں عالم غربت میں انتقال کر گئے۔ (مسلمانوں کا روشن مستقبل صفحہ ۹۳)

ہنگامہ کے دوران میں مسٹر ٹیلر نے ان تینوں شاہ محمد حسن وغیرہ کو بلا کر دھوکے سے جیل خانہ بھیج دیا۔ مجسٹریٹ مولوی محمد مہدی تھے۔ ان کو یہ واقعہ ناگوار گزرا اور مسٹر ٹیلر کے خلاف ہو گئے۔ جس کی بناء پر ان کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ پولیس افسر وارث علی کو یہ حرکت بار خاطر ہوئی اور انہوں نے خفیہ وطن پرستوں کی امداد کی۔ مسٹر ٹیلر سے غداروں نے جا لگائی۔ ۲۳ جون کو یہ بھی پکڑے گئے۔ علی کریم رئیس پٹنہ ان صاحبوں کے ہمنوا تھے۔ پکڑا دھکڑی دیکھ کر ٹیلر کے روبرو ہاتھی پر سوار ہو چلتے ہوئے۔ ہنگامہ ختم ہوا۔ سب کو بڑی بڑی سزائیں ہوئیں۔ آگے کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

راجہ بنی مادھو بخش :- تعلقدار نظامت بیواڑہ حضرت محل کی رفاقت میں رہے۔ میدان جنگ میں کام آئے(80)۔

راجہ ناہر :- بلبگڈھ کے رئیس تھے۔ بہادر شاہ کے دربار کے رکن تھے پھانسی پائی۔ بیس لاکھ روپیہ ضبطی میں آیا(81)۔

کمانڈر ہیرا سنگھ :- دلی' الور سے فوج لے کر آئے تھے۔ ان کو پھانسی ہوئی(82)۔ ان کے ساتھی سردار غوث محمد خاں صوبہ دار اور گردھاری لال تھے۔ راجہ کنور سنگھ شاہ آبادی ناناراؤ پیشوا کے رفیق کار تھے۔

قادر بخش صوبہ دار :- سفرمینا فوج دہلی کو انڈمان کی سزا ملی۔ راجہ مادھو سنگھ رئیس گڈھ امیٹھی نے دو ہزار سپاہی سے مقابلہ کیا۔ آخر میں روپوش ہو گئے۔

راجہ دیبی سنگھ :- بہادر شاہ کے درباری تھے۔ سالگ رام۔ نواب موسیٰ خاں۔ نواب احمد مرزا۔ حکیم عبدالحق یہ لوگ مل کر فوج کے لئے غلہ اور روپیہ کا انتظام کرتے تھے۔ کوئی پھانسی چڑھا کوئی انڈمان گیا۔(83)

نواب علی :- رئیس گجرات' تلارام رئیس ریواڑی۔ مکند لال۔ میر منشی بہادر۔ شاہ مہاراجہ بال کرشن۔ رفیق برجیس قدر۔ نرت سنگھ رئیس' ان کو سزائیں ہوئیں۔

مرزا بیدار بخت :- بہادر شاہ کے پوتے تھے۔ نانا راؤ اور عظیم اللہ خاں کے مشورہ سے ایک اخبار دلی سے نکالا "پیام آزادی" نام تھا۔ اس اخبار نے ۱۸۵۷ء میں بڑی خدمت انجام دی۔ انگریزی تسلط پر ان کو پکڑ لیا گیا اور جسم پر سور کی چربی مل کر پھانسی دے دی گئی۔

مولوی جلال الدین

مولوی جلال الدین احمد بن مولوی عبدالاعلیٰ بنارسی اپنے والد مولوی احمد اللہ

بنارسی کے شاگرد تھے۔ سند حدیث مولوی عبدالحق بنارسی سے لی۔ عامل بالحدیث و متبع سنت نبوی و قانع و متقی تھے۔

"جید الحافظ آنچنان بود کہ دریک روز یک پارہ کلام مجید حفظ نمود وقت شب بماہ رمضان تراویح می خواند(84)۔

آپ نے بھی ہنگامہ ۵۷ء میں حصہ لیا، مگر حکومت کے شکنجہ سے بچ گئے۔ زبدۃ القوانین (صرف و نحو) و شرح کافیہ یادگار سے ہے۔ بنارس کالج میں پہلے مدرس تھے۔ ۱۲۷۹ھ میں بعمر ۵۸ سال وفات پائی۔

سید حسین علی :- ابن سید مدد علی نبیرۂ حضرت بھلے شاہ سادات نو محلہ سے تھے۔ یہ میرٹھ میں سرکاری فوج میں رسالدار تھے۔ جو فوج حکومت سے منحرف ہوئی تھی۔ اس کے سرگروہ ہو کر دلی آئے۔ مرزا مغل کے ساتھ رہے۔ آخری مورچہ میں کام آئے۔ ان کے بھائی میر فیض علی نے معہ اپنے اہل خاندان کے نواب خان بہادر خاں کا ساتھ دیا۔ پانسہ الٹا پڑا۔ اپنی ماں بہنوں کو آمادہ کیا کہ وہ سادات کی لاج رکھتے ہوئے کنوئیں کی نذر ہوں۔ چنانچہ بخوش دلی ہر سیدانی نو محلہ کی مسجد کے کنوئیں میں کود پڑی۔ یہ آگرہ آئے۔ ان کی بیوی کے بھائی مولوی صفدر علی شکوہ آبادی کو ایک انگریز کے قتل پر امر سنگھ گیٹ پر پھانسی دی جا چکی تھی۔ بیوی، شکوہ آباد میکے مقیم تھیں۔ ان کو آگرہ بلا لیا۔

ملک باقر علی :- بلہوری زمیندار بھی ہنگامہ سے ترک وطن کرکے آ گئے تھے۔ ان کے ساتھ اپنی ایک دختر منسوب کی۔ دوسری دختر مولوی اکرام اللہ گوپاموی صاحب تصویر الشعراء سے بیاہی گئیں۔ سید سبط حسن صاجزادے تھے (ان کی صاجزادی زندہ ہیں جن سے یہ حالات معلوم ہوئے)۔

امراؤ بہادر :- برادر دوندے خاں جاگیردار گڈھی علی گڈھ پچاس بہادر سپاہی لے کر دلی آ گئے اور عمر شباب کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ ان دونوں

سرداروں کے نام افسران کی حیثیت سے شاہی فہرست میں لکھ لئے گئے(85)۔ ہر دو نے بڑی بہادری دکھائی اور میدان مصاف میں کام آئے۔(86)۔

داروغہ شیخ محمد بخش :۔ ساکن بستی تحصیل دہلی ان کے صاحبزادہ شمس العلماء شیخ ضیاء الدین دہلوی تھے۔ بوقت تسلط انگریزی فوج کے سپاہی کے ہاتھوں شہید ہوئے (87)۔

بہادر شاہ کا آخری فرمان

(تمام راجگان ہند کے نام جاری ہوا)

جمیع راجگان و رؤسائے ہند پر واضح ولائح ہو کہ تم بہم وجوہ نیکی اور نیک خصلتی اور فیاضی میں مشتہر الدہر و العلوم ہو اور تمہاری حسن حمایت طرز اور فہم اور ہدایت سے مذہب ہندوستان کی اعانت ہے۔ لہٰذا ازراہ خیر اندیشی تمہارے تم کو ہدایت ہوتی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تم کو اپنے مختلف مذاہب کے قائم کرنے کے واسطے پیدا کیا ہے اور تم پر فرض ہے کہ اپنے عقائد اور قوانین مذہبی کو بخوبی درست جانو اور ان پر ثابت قدم رہو۔

کیونکہ خداوند تعالیٰ نے تم کو یہ مرتبہ عالی اور ملک اور دولت اور حکومت اسی واسطے بخشی ہے کہ تم ان لوگوں کو جو تمہارے مذہب میں رخنہ اندازی کریں۔ غارت کرو اور جو اشخاص کہ تم میں سے صاحب طاقت ہیں۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان لوگوں کو جو تمہارے مذہب کو بگاڑا چاہتے ہیں نیست و نابود کریں اور جو اتنی قدرت نہیں رکھتے وہ بدل و جان ایسی تدبیروں میں مشغول رہیں جن سے ان کے مذاہب کے دشمنوں پامالی ہو اور یہ تمہارے عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مذہب بدلنے سے مرجانا بہتر ہے اور واقع میں یہی حکم خداوند تعالیٰ کا بھی ہے' جو خاص و عام پر روشن ہے۔ انگریز جملہ مذاہب کو غارت کیا چاہتے ہیں اور ہندوستان کے تخلل مذاہب کے واسطے انہوں نے ایک مدت سے بہت سی کتابیں لکھوا کر اپنے پادریوں

کے ہاتھ سے سب ملک میں تقسیم کرائی ہیں اور پادریوں کو بلا کر اپنے مقولوں کا اعلان کیا ہے۔ سمجھنے کی بات ہے کہ انگریزوں نے کیا کیا تدبیریں واسطے غارتی ہمارے مذاہب کے کی ہیں۔

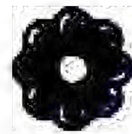
اول یہ کہ جب ایک مرد مر جاوے تو اس کی بیوہ دوبارہ شادی کرے۔

دوسرے یہ کہ ستی ہونے کی ایک رسم مذہبی قدیم تھی، جس کو انگریزوں نے اپنے قوانین کی رو سے موقوف کیا۔

تیسرے یہ کہ انہوں نے عام خلقت کو علانیہ سمجھایا کہ اگر وہ ان کا مذہب قبول کر لیں گے تو سرکار میں ان کی توقیر ہو گی اور یہ بھی ہدایت کی کہ تم عیسائی کلیساؤں میں جا کر وعظ سنو۔ علاوہ اس کے انہوں نے یہ حکم قطعی دیا ہے کہ صرف حقیقی اولاد راجگان و رئیسان ہند کی مسند نشین ہو گی اور گود لی ہوئی اولاد کا کچھ حق نہ ہو گا۔ حالانکہ ازروئے شاستر دس طرح کے مختلف وارث سلطنت ہو سکتے ہیں۔ اس تدبیر سے ان کا مطلب خاص یہ ہے کہ وہ آخر تمہاری ریاستیں اور جاگیریں چھین لیں۔ جیسا کہ انہوں نے فی زمانہ ریاست ہائے لکھنؤ اور ناگپور میں عمل کیا۔ ورائے ازیں ایک اور تدبیر انہوں نے یہ بھی کی قیدیان جیل خانہ کو جبراً" پکی ہوئی روٹیوں کے کھانے کا حکم دیا اور اکثر قیدیوں نے تو یہ امر قبول نہیں کیا، بھوکے مر گئے اور بہتوں نے ناچار ہو کر روٹی کھانا قبول کیا اور اپنا مذہب کھو دیا۔

جب یہ تدبیر انگریزوں کی اچھی طرح نہ چلی تو انہوں نے آٹے اور شکر میں ہڈیاں پسوا کر ملائیں تاکہ لوگ اس کو بلا کسی ظن اور شبہ کے کھا کر اپنا ایمان کھو دیں اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے استخوان اور گوشت کے جانوروں کے ساتھ ملوا کر سر بازار بکوایا۔ علاوہ اس کے انہوں نے ہر ایک تدبیر ایسی کی جس سے ہمارے مذاہب غارت ہوں۔ انجام کار بعض بنگالیوں نے بعد غور یہ امر قرار دیا کہ اگر ابتداء میں اہل فوج اس معاملہ مذہبی میں پیرو رائے انگریزان ہو جاویں تو فرقہ بنگالیان بھی انہیں کی رائے کے مطابق کاربند ہو گا۔ انگریزوں نے اس تدبیر کو بہت پسند کیا اور بے اندیشہ

کہ چاہ کندہ را چاہ در پیش۔ برہمنان اور افضل قوم کے لوگوں کو ان کارتوس کے کاٹنے کا جن کے بنانے میں چربی لگی تھی، حکم دیا۔ اس حالت میں اگرچہ مسلمان سپاہیوں نے خیال کیا کہ ان کارتوسوں کے کاٹنے سے مذہب ہنود کا صرف جاتا رہے گا لیکن تاہم انہوں نے ان کے کاٹنے سے انکار کیا۔ تب ان سپاہیوں کو جنہوں نے کارتوس کاٹنے سے انکار کیا، انگریزوں نے توپ سے اڑا دیا۔ یہ ظلم شدید دیکھ کر سپاہ نے انگریزوں کا قتل شروع کیا اور جہاں کہیں فرنگی کو پایا مار ڈالا اور بفضل ایزدی و امداد سرمدی بالفعل ان تدابیر میں مشغول ہیں۔ جیسے کہ چند انگریز جو کہیں باقی رہ گئے ہیں، وہ بھی نیست و نابود ہو جاویں اور ہمارا یقین واثق ہے کہ اگر اب انگریز ملک ہندوستان میں رہیں گے تو کل اس ملک کے آدمیوں کو مار ڈالیں گے اور ہمارے مذہبوں کو مٹا دیں گے۔ ہر چند بعض آدمی ہمارے ملک کے اب بھی انگریزوں سے موافقت رکھتے ہیں بلکہ ان کی طرف سے لڑتے بھڑتے ہیں۔ ان کے حال پر بخوبی غور کیا گیا تو بھی ظاہر ہوا ہے کہ انگریز نہ ان کا مذہب چھوڑیں گے اور نہ تم سب کا۔ بس اس صورت میں ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ تم نے اپنا ایمان اور جان کی سلامتی کے واسطے کیا تدبیر کی ہے؟۔ اگر ہماری اور تم سب کی رائے متفق ہو تو بہت آسانی سے انگریزوں کو غارت کر کے اپنے ملک اور ایمان کو بچا سکتے ہیں۔ چونکہ ہم سب کو ہندو اور مسلمانوں کو بہتری پیش نظر ہے اور انگریز، دونوں فرقوں کے دشمن ہیں۔ لہٰذا تمہارے مذہب کی حمایت کا پاس اور خیال کر کے اور بنظر اندفاع اعدائے دین بذریعہ اس فرمان مطبوعہ کے اعلان کیا جاتا ہے کہ اہل ہنود کو گنگا جی اور تلسی اور سالگرام کی قسم ہے اور مسلمانوں کو قرآن شریف کی قسم ہے کہ بالاتفاق شامل ہو کر اپنی جان اور ایمان کی حفاظت کے واسطے انگریزوں کو یہاں سے نکال دیں۔



حوالہ جات

1:- تاریخ وطنیت

2:- تاریخ وطنیت صفحہ ۴۴

3:- تاریخ وطنیت

4:- تواریخ احمدی از مولانا تائب لکھنوی

5:- ہندوستانی غدر کی تاریخ جلد دو صفحہ ۶۰۴

6:- قیصر التواریخ و تاریخ شاہجہانپور

7:- تذکرہ علماء از مولوی اکرام اللہ گرپاموی (قلمی)

8:- سوانح احمدی از مولانا فتح محمد تائب لکھنوی

9:- تاریخ مفتیاں گوپامئو صفحہ ۳۰

10:- آثار الصنادید

11:- مہتاب اجمیر و اولیائے ہند مطبوعہ مصطفائی پریس آگرہ

12:- داستان تاریخ اردو از پروفیسر حامد حسن قادری

13:- انشائے بیخبر صفحہ ۲۱

14:- انشائے بیخبر مطبوعہ مرتضائی پریس آگرہ

15:- مسلمانوں کا روشن مستقبل صفحہ ۸۰ بار چہارم

16:- اسعد الاخبار نمبر ۱۴۸ جلد اول ۱۷ جمادی الاول ۱۲۶۶ھ مولوی قمر الدین خاں ایڈیٹر ۱۸۰۵ء

17:- مولانا غلام امام شہید کا ۱۲۹۴ھ میں انتقال ہوا (حیات شہید مطبوعہ مصطفائی پریس آگرہ)

18:- گارسان دتاسی صفحہ ۳۴

19:- گارسان و تاسی صفحہ ۳۶
20:- غدر کی صبح و شام
21:- روزنامچہ مسٹر مارسین میچل (مصنف مارچ ۳ ۱۸۴۳ء، سرگذشت محمد علی خاں بریلوی صفحہ ۱۳۶)
22:- گذشتہ لکھنؤ صفحہ ۴۰
23:- ہسٹری دی انڈین منیوٹنی جی ڈبلو فارسٹر
24:- قیصر التواریخ حصہ دوم صفحہ ۲۴۳
25:- مولانا محمد حسین مرحوم۔
26:- قیصر التواریخ سید کمال الدین حیدر حسنی الحسینی جلد دوم صفحہ ۴۶۷
27:- تاریخ شاہجہانپور صفحہ ۱۳۹
28:- تاریخ شاہجہانپور صفحہ ۱۳۹
29:- صحیفہ زرین مطبوعہ نو لکشور پریس لکھنؤ۔
30:- تاریخ شاہجہانپور۔
31:- تواریخ احمدی منظوم از مولانا فتح محمد تائب لکھنوی
32:- پنج آہنگ از مرزا غالب۔
33:- مولانا فضل حق و عبد الحق از انتظام اللہ مطبوعہ ذوالقرنین پریس بدایوں۔
34:- غدر کی صبح و شام صفحہ ۲۱۷
35:- تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی۔
36:- کلیات شیفتہ و حسرتی صفحہ ۱۰ از مولانا نظامی بدایونی اور مفصل تذکرہ "غدر کے چند علماء" میں ہے۔
37:- غدر کا آخر نتیجہ۔
38:- داستان تاریخ اردو صفحہ ۲۷۳ و نقش سلیمانی
39:- حیات حافظ رحمت خاں از مولوی سید الطاف علی بریلوی مطبوعہ نظامی پریس

بدایوں۔

40:- غدر کی صبح و شام

41:- داستان غدر صفحہ ۹۷

42:- دیباچہ مقدمہ بہادر شاہ از شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صفحہ ۲۳۶۔

43:- تراجم علمائے حدیث صفحہ ۲۲۳۔

44:- سرگذشت ایام غدر از خان بہادر عنایت حسین خان الہ آبادی (الناظر ۳۵ء)

45:- فرخ آباد اردن صفحہ ۲۰۰ تاریخ فرخ آباد ولی اللہ فرخ آبادی قلمی ملک مولوی سید الطاف علی بریلوی۔

46:- گزٹیر فرخ آباد صفحہ ۱۵۰۔

47:- سرگذشت ایام غدر (الناظر ۱۹۳۶ء) و "غدر کے چند علماء"۔

48:- رسالہ مصنف (مولانا امام بخش صہبائی) صفحہ ۵۵ تا ۶۹ از انتظام اللہ شہابی۔

49:- حکایت العلماء صفحہ ۵۲۔۵۳

50:- روشن مستقبل صفحہ ۱۳۲۔ از مولانا سید طفیل احمد منگلوری۔

51:- استاذ العلماء از نواب صدر یار جنگ بہادر صفحہ ۹۷ روشن مستقبل صفحہ ۱۳۹۔

52:- روشن مستقبل صفحہ ۱۳۹۔ کیفیت بلند شہر صفحہ ۲۴۱۔

53:- دہلی کی سزا صفحہ ۲۷

54:- تواریخ اودھ جلد دوم صفحہ ۳۴۳۔

55:- تاریخ اودھ صفحہ ۴۶۷۔

56:- تواریخ اودھ جلد دوم صفحہ ۹۹۔

57:- قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۲۸۔

58:- قیصر التواریخ صفحہ ۳۵۷۔

59:- شیخ بہادر علی شجاع لکھنوی قیصر التواریخ صفحہ ۴۵۔

60:- قیصر التواریخ صفحہ ۲۴۲۔

61:- قیصر التواریخ صفحہ ۲۰۷
62:- دلی کی سزا صفحہ ۵۱
63:- قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۴۵۸۔
64:- مکاتیب غالب صفحہ ۶۶۔
65:- قیصر التواریخ صفحہ ۳۶۸ جلد دوم۔
66:- قیصر التواریخ صفحہ ۳۰۷
67:- مرقع اکبر آباد صفحہ ۳۱۔۳۲۔
68:- اردوئے معلیٰ۔
69:- تواریخ اودھ صفحہ ۴۵۴۔
70:- تواریخ اودھ صفحہ ۴۵۴ جلد ۲۔
71:- اردو معلیٰ۔
72:- اردوئے معلیٰ و غالب ۱۹۷۔
73:- غالب صفحہ ۲۲۰۔
74:- تذکرہ شہید صفحہ ۴۷۔
75:- کارنامہ ء سروری صفحہ ۱۷۔۳۲۔
76:- کارنامہ سروری صفحہ ۵۹۔
77:- ضیاء الملک جنرل محمود خاں از سیدہ انیس فاطمہ بریلوی (مصنف اکتوبر ۴۶ء)
78:- بغاوت ہند صفحہ ۱۸۲۲۔
79:- تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۶۸۷۔
80:- قیصر التواریخ حصہ دوم صفحہ ۳۷۳۔
81:- قیصر التواریخ حصہ دوم صفحہ ۶۵۶۔
82:- غدر کی صبح و شام صفحہ ۸۳۔
83:- غدر کی صبح و شام صفحہ ۸۰۔

84:- تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۴۱

85:- غدر کی صبح و شام صفحہ ۸۰۔

86:- تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۶۹۰۔

87:- واقعات دارالحکومت حصہ دوم صفحہ ۱۷۹۔





ہماری مطبوعات

غازی علم الدین شہیدؒ
باتصویر/اضافہ شدہ

سازشوں کا دیباچہ (قادیانیت)

مقرر بنیئے (چھٹا ایڈیشن)

گلاب ہونٹوں کے دائرے (محبت و وفا)

شعور
زیر طبع
(بڑے لوگوں کے افکار و نظریات سے متعلق انسائیکلوپیڈیا)

ناقابلِ تردید
(زیر طبع)
تاریخی حقائق پر مشتمل بے رحم انکشافات

قادیانیت کا فکری پس منظر

طلباء کی تقریریں
کہ آپ اپنا تعارف ہوا بہار کی ہے۔